سمیرہ حمید
عشقِ آمد و مَن

"رات رومی تھی۔۔۔ سماں شمس۔۔۔"

قونیہ شہر کے اس نواحی سرائے میں دنبے کے گوشت کے گاڑھے شوربے کے ساتھ 'پہاڑی بچوں کے گالوں کی مانند پھولی ہوئی خمیری روٹی کھانے کے بعد وہ سرائے کی طعام گاہ میں بیٹھا مسافروں کا خاموشی سے جائزہ لے رہا ہے۔ اس کے سامنے بیٹھا مسافر کھانے کو کچھ اس رغبت اور عجلت میں کھا رہا ہے کہ یوسف اس سے نظریں ہٹانے میں ناکام ہے۔ مسافر نے بھی جب اپنے مقصد حیات "پیالے میں پڑے دنبے کو نیست و نابود کر دینے۔" سے فراغت حاصل کر ہی لی تو اس کی اپنی طرف دلچسپی دیکھ کر بچکانہ انداز سے مسکرانے لگا۔

"تین دن سے سفر میں ہوں۔۔۔ صبح سے صرف ایک کھجور اور دو سوکھی انجیریں کھانے کا مجرم ہوا ہوں۔"

"اس صورت میں تو یہ چار پیالے بھی ناکافی ہیں۔" وہ شرارت سے مسکرا دیا۔

"ابھی اصطبل میں اپنے گھوڑے کی خیر خبر لینی ہے۔ تھوڑا لاڈلا ہے میرا۔ آخر مان ہی جائے گا۔ پھر تسلی سے کھانا کھاؤں گا۔"

"واللہ! ابھی اس کا کھانا باقی ہے۔" اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے اس نے قہوے کی پیالی کو منہ سے لگا لیا جو خدمت گار لڑکا اس کے سامنے رکھ گیا تھا۔ سرائے کی طعام گاہ میں مسافروں کا بے پناہ اژدھام تھا اور سرائے کے چھوٹی عمر کے خدمت گار لڑکے قہوے کی پیالیاں، سالن کی رکابیاں اور پانی کی صراحیاں لیے کچھ ذمہ داری سے، کچھ عجلت سے مصروف تھے۔ دیواروں پر خوب چمکا کر لٹکائی گئی لالٹینیں اور طعام گاہ کے دروازے کے عین اوپر دائیں بائیں جلتی مشعلیں اسے رات کا پیغام دے رہی تھیں کہ "کل صبح تمہیں

مکمل ناول

ہر صورت قونیہ شہر میں داخل ہو جانا ہو گا۔" جس سست روی سے اس نے یہاں تک کا سفر کیا تھا' اس سست روی کے باوجود وہ مزید اپنی اس منزل سے نظریں نہیں چرا سکتا تھا' جس کی سمت بابا نے زبردستی اسے رخصت کیا تھا۔

وہ اس سفر سے بہت ناخوش تھا۔ اصفہان کا باشندہ' قونیہ آنے پر راضی نہیں تھا۔ بابا نے اس پر جبر کیا' جیسا کہ وہ ہمیشہ کرتے آئے تھے۔ نظیر شعراوی نے' اپنے مال و جنس کی تجارت میں اپنے بیٹے یوسف شعراوی کو بھی شامل کر لیا تھا اور اسے گھوڑے پر بٹھا کر قونیہ کے سب سے بڑے تاجر کے گھر کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ اسے اس تاجر کی بیٹی سے شادی کرنی تھی۔

"مجیب درّابی۔" نظیر شعراوی اس کا نام سونے کے سکوں کی کھنک سے زیادہ کھنک دار آواز میں لیتے۔

"مجیب درّابی شہر سے باہر ہے۔۔۔ کیا اسی لیے شہر کے کتوں نے دیوانہ وار بھونکنا کم کر دیا ہے۔"

ابو فاشا کی دعوت میں مجیب درّابی کی غیر حاضری کا فائدہ اٹھایا گیا اور اسے کتوں کی معیت میں یاد کیا گیا۔ شہر کے معززین نے ایک جان دار قہقہہ لگایا اور ان سے ذرا ہٹ کر بیٹھے عکرمہ نے شاکی نظروں سے ان سب کی طرف دیکھا۔ اسے شک ہوا کہ اس کے باپ کے بارے میں بات کی گئی ہے۔ وہ دانت پیس کر رہ گیا۔ مردار کی شکلوں جیسے یہ مغرور اور عیار بوڑھے اس کے باپ کی دولت اور دبدبے سے جلتے ہیں۔ اس کا بس چلے تو ان پر تیر' تلواریں سونت لے اور گھوڑوں کے سموں تلے ان کی زندہ لاشیں روند ڈالے۔

"ذرا ہوش سے' مجیب درّابی کا خاندان یہیں موجود ہے۔" حقے کی نے منہ سے پرے کرتے کسی عیار بوڑھے نے کہا۔

"ہم بھی مجیب درابی کی مدح سرائی ہی کر رہے ہیں کہ جب وہ ایرانی قالینوں میں شاہی نوادرات' زعفران' زمرد اور سونے کے کھوٹے سکے چھپا کر لاتا ہے تو اس کی چال کسی بھیڑیے کی طرح دلکی ہو جاتی ہے۔"

ایک اور قہقہہ ابو فاشا کے محل نما گھر کے باغ کی زینت بنا' جہاں رات کی دعوت میں شہر کے معززین شام سے جمع تھے۔ کم خواب سے سجی نشستوں پر براجمان معززین' کھانے سے فراغت کے بعد کتنے بھیڑ اور بھیڑوں کی باتوں میں مصروف تھے۔ خدمت گار' غلام' مشروب سے بھری صراحیاں لیے جھک جھک کر ان کے آب خوروں میں انڈیل رہے تھے۔

مشعلوں کی روشنی' شمع دانوں کی سجاوٹ' تھالوں میں سجے میوے' باغ کے اطراف محرابی بالکونیوں میں بیٹھی شادی شدہ بڑی عمر کی خواتین جن کے ہاتھ زیورات کے بوجھ سے اٹھتے نہ تھے' گردن تک آرائش سے حرکت نہ کرتی تھی' کی باتیں خدمت گاروں اور غلاموں کی درد سری سے شروع ہو کر ریشم کے تھانوں کی کم یابی' قالینوں اور ظروف کی چڑھی ہوئی قیمتوں اور متوقع شادی بیاہ کے معاملات تک پہنچ چکی تھیں۔

"عزیزہ خاتون! آپ یشفین کی شادی گھر کے کسی خدمت گار سے کریں گی؟" خاتون عبدالحئی نے پوچھا۔

عزیزہ خاتون کے دل کو ٹھیس لگی۔ "ہرگز نہیں۔۔۔ یشفین اور لیلیٰ میں فرق کیسا جو میں یشفین کی شادی کسی خادم یا غلام سے کر دوں۔"

"فرق تو ہے۔۔۔ لیلیٰ بیٹی ہے اور یشفین۔۔۔" خاتون عبدالحئی نے ارادتاً بات مکمل نہ کی۔ عزیزہ خاتون کو ایک اور دھچکا لگا۔ لوگوں کی یادداشت کمال کی ہوتی ہے۔ ماضی کتنا ہی صدیوں پرانا کیوں نہ ہو جائے' وہ اسے حال کی طرح یاد رکھتے ہیں۔ یشفین ان کی مرحومہ کنیز اور مرحوم خدمت گار کی بیٹی ہے' یہ بات سارے شہر کو معلوم بھی ہے اور یاد بھی۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ عزیزہ نے لیلیٰ اور یشفین کو ایک سے دو نہیں ہونے دیا۔ لیلیٰ بیٹی تھی تو یشفین بھی وہی تھی۔

انہوں نے ذرا دور قالین پر دوسری لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی یشفین کو دیکھا۔ اس کے لباس کا رنگ سبز تھا' اس کی آنکھیں بادام رنگ تھیں' اس کے حسن کی پرکاری' شہر کی کسی بھی خوب صورت لڑکی سے کم نہیں تھی۔ اس کی آواز کا ترنم' عادات' سوجھ بوجھ' عقل و دانائی' کتنی ہی لڑکیوں میں اسے ممتاز کرتی تھی۔ لیلیٰ کی طرح وہ بھی مدرسے سے فارغ التحصیل تھی۔ مہینے میں ایک بار دریا کی سیر کے لیے جاتی اور دن میں شہر سے باہر باغ میں ٹہلنے کے لیے۔ لیلیٰ کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں تھی جو یشفین کے پاس نہیں تھی اور پھر بھی لوگ کہتے ہیں کہ فرق تو ہمیشہ رہے گا۔

"بابا صلاح کے لیے نشست کا اہتمام کیا جارہا ہے۔" ایک لڑکی نے آکر اعلان کیا اور سب لڑکیاں تقریباً" بھاگتے ہوئے محرابی برآمدے میں قالین پر آمنے سامنے ترتیب سے بیٹھ گئیں۔

"لڑکیوں کو لگتا ہے کہ بابا صلاح انہیں ان کی قسمت کا حال بتادیں گے یا ان کے ہونے والے دولہا کے بارے میں ضرور کوئی دعا دیں گے۔ لڑکیوں کو یہ خوش فہمی آخر ہوئی کب؟"

"چند سال پہلے جب انہوں نے مائدہ کو اپنا رومال دیا اور اسے ایک شہزادے جیسا دولہا ملا۔"

"پھر تو مائدہ سے وہ رومال لے کر شہر بھر کی لڑکیوں کو باری باری دے دینا چاہیے۔ ممکن ہے کہ ہمارا شہر شہزادوں کا شہر کہلانے لگے۔" سب ہنسنے لگیں اور عزیزہ خاتون بھی ہنسے بغیر نہیں رہ سکیں۔

بابا صلاح آچکے تھے۔ ان کا شہر میں قیام محدود تھا۔ اسی لیے لڑکیوں نے ابو فاشا کی دعوت میں آنا فرض سمجھا تھا۔ لڑکیاں انہیں کچھ بھی سمجھتی ہوں' لیکن درحقیقت وہ سرزمین عرب میں پھیلے اپنے مدرسوں اور کتب خانوں کی وجہ سے معروف تھے۔ ان کی عزت و تکریم شاہی ایوانوں تک تھی۔ وہ ان میں سے کتنی ہی لڑکیوں کے استاد بھی تھے' ان کے باپوں کے بھی۔ یشفین اور لیلیٰ جب چھوٹی تھیں تو ان ہی کے مدرسے میں پڑھنے کے لیے جاتی تھیں۔ پھر وہ دمشق چلے گئے۔

ان کی طبیعت میں عجز اور دانائی اتنی غالب تھی کہ جب وہ جوان تھے تب بھی خواتین انہیں ایک باپ' ایک بھائی کی حیثیت سے اپنا محرم سمجھتی تھیں' نامحرم نہیں۔ بابا صلاح کو بھی مردوں کے معاملات سے زیادہ عورتوں کی فہم و فراست کی فکر رہتی تھی۔ اس لیے وہ ہر اس انسان کو اپنا دوست رکھتے تھے جو اپنی بیٹی کو مدرسے میں علم کے لیے بھیجتا ہے اور جو سفر سے واپسی پر زیورات کے ساتھ اپنی بیوی کے لیے کتاب بھی لاتا ہے۔

مسند پر بیٹھے اپنے سفر کی کہانیاں سناتے بابا صلاح اور ان کے پیچھے جھانکتا قونیہ شہر' یشفین نے رات کو ہزار داستان پایا۔

"بابا صلاح کا رومال مجھے ہی ملے گا نا۔۔۔" لیلیٰ نے یشفین کے کان میں سرگوشی کی۔

"ہو سکتا ہے وہ تمہیں خنجر دے دیں۔ جو جواں مردی کی نشانی ہے۔"

"یہ ظلم اور بغاوت کی نشانی بھی تو ہے۔ تم ہی کہتی ہو۔"

یشفین کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ "مجھے قلم کہنا چاہیے تھا۔"

"کیا وہ متعلم ہوگا؟"

"تمہیں معلم پسند نہیں؟"

"تم جانتی ہو کہ میں کیسے رو رو کر مدرسے جاتی تھی۔ اب تم چاہتی ہو کہ وہ مدرسے میں بھی پڑھاتا رہے اور مجھے بھی گھر میں شاگرد بنائے رکھے۔" لیلیٰ نے شرارتی سی شکل بنا کر کہا۔

یشفین اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ کتنی ہی نک چڑھی لڑکیوں نے اسے گھور کر دیکھا تو اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ بابا صلاح بھی اپنا قصہ سنا کر خاموش ہوگئے تھے۔ یعنی اب لڑکیوں کا انتظار ختم ہوا۔ ان میں سے کسی ایک بھی لڑکی نے غور سے وہ باتیں نہیں سنی ہوں

گی جو اتنی دیر سے بابا صلاح سناتے رہے تھے۔ انہیں تو اس چرمی تھیلے کی فکر ستا رہی تھی جو بابا صلاح الدین ہر بار اپنے ساتھ لے آتے تھے۔ جس میں سے ایک بار ایک رومال برآمد ہوا تھا جو مائدہ کا نصیب بن گیا تھا۔

سب سے پہلے خاتون ابو باشا بابا صلاح کے سامنے آکر دوزانو بیٹھ گئیں۔

"اگر ساری دنیا کے چراغ بجھ جائیں تو کیا کرنا ہوگا محترم خاتون۔"

"دن کا انتظار۔۔۔"

"اگر رات بہت لمبی ہو جائے؟"

"آگ کا انتظام۔۔۔"

"آگ کہیں بھی میسر نہ ہو تو کیا روشن کرنا ہوگا؟"

"صبر کا چراغ۔۔۔" بابا صلاح نے خوش ہو کر تھیلے میں ہاتھ ڈالا اور اپنا قلم نکال کر خاتون کے ہاتھ رکھا۔

"آپ کی دانائی نے مجھے متاثر کیا۔ میں آپ سے خوش ہوا ہوں۔"

پھر ایک ایک کر کے سب ان کے سامنے آکر بیٹھنے لگیں۔ کسی کو ہاتھ کا زیور ملا کسی کو پیشانی کا۔ کسی نے ریشم حاصل کیا کسی نے جائے نماز۔ لڑکیوں میں بے چینی بڑھنے لگی۔

"کیا اس بار بابا صلاح اپنے تھیلے میں رومال نہیں لائے۔"

"اگر تمہیں بہت نیند آرہی ہو تو تم کیا کرو گی لیلیٰ بیٹی۔۔۔؟"

"میں سو جاؤں گی بابا۔۔۔"

"تم کئی راتیں کئی دن سوتی رہی ہو نیند پھر بھی غالب رہے تو؟"

"تو سوتی رہوں گی نا یا بابا۔۔۔ مجھے کون سے خطۂ عرب کے میدانوں میں گھوڑے دوڑانے ہیں۔"

خوش گلو پرندے کے دل والی لڑکی لیلیٰ نے اتنی معصومیت سے کہا کہ قالین پر بیٹھی سب لڑکیاں اور دور نشستوں پر براجمان خواتین ہنسنے لگیں۔ لیلیٰ درّانی کو فراغت بہت پیاری تھی۔ فراغت حاصل کرتی تو آئینے کے سامنے کھڑی ہو جاتی۔ اسے سورج کی کرنوں میں اپنے حسن کی چاندنی کو دیکھنا پسند تھا' گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر سفر کرنا نہیں۔ بابا صلاح نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک کتاب نکالی۔

"نیند غفلت کی نشانی ہوتی ہے اور یہ غفلت تمہیں عزیز بھی ہے۔ یہ کتاب پڑھا کرو۔"

لیلیٰ نے کچھ ایسے منہ بنالیا کہ لڑکیاں جو سب سمجھتی تھیں' نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنا شروع کر دیا۔ تو رومال اس کے بھی حصے میں نہیں آیا۔ رومال شاید کسی

مشہور مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین

آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

کتاب کا نام		قیمت
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
گھری گھری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمار گندم	طنز و مزاح	225/-
اُردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
اس بستی کے کوچے میں	مجموعہ کلام	300/-
چاند نگر	مجموعہ کلام	225/-
دل وحشی	مجموعہ کلام	225/-
اندھا کنواں	ایڈگر ایلن پو / ابن انشاء	200/-
لاکھوں کا شہر	او ہنری / ابن انشاء	120/-
باتیں انشاء جی کی	طنز و مزاح	400/-
آپ سے کیا پردہ	طنز و مزاح	400/-

کے حصے میں بھی نہیں آنے والا تھا۔

"مجھے کچھ اور دے دیں۔۔۔۔" لیلیٰ صاف صاف رومال کا ذکر نہیں کر سکی۔

"میری بیٹی! میں تاجر نہیں ہوں۔ نہ ہی آرائش فروش۔ یہ سب تو تمہیں تمہاری عقل اور سوجھ بوجھ پر مل رہا ہے۔ کتاب کے ملنے پر تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے۔ میں نے یہاں موجود چھ بے عقلوں سے اس کتاب کو بچائے رکھا۔"

"یعنی میں سب سے زیادہ بے عقل ہوں؟"

"نہیں! تمہیں سب سے یادہ ہوش مندی کی ضرورت ہے میری بیٹی۔"

لیلیٰ اٹھ کر یشفین کے پاس آئی اور منہ بنا کر بولی۔

"تم نے قلم اور معلم کا ذکر کیا اور یہ دیکھو' میرے ہاتھ میں کتاب آگئی۔"

یشفین کو اس پر اتنا پیار آیا کہ اس کے گال پر چٹکی بھری۔ ایک ایک کر کے دوسری لڑکیاں بھی جا کر بیٹھ گئیں۔ سوال و جواب ان سب کو حد درجہ محظوظ کر رہے تھے۔ ان سب کے قہقہے نیچے باغ تک سنے جا سکتے تھے۔ آخر میں یشفین اٹھی۔ وہ اس لیے بھی ایسی محفلوں میں پہل نہیں کیا کرتی تھی کہ وہ اپنی حیثیت ہمیشہ یاد رکھتی تھی۔ ماں عزیزہ کی وجہ سے اسے وہی عزت و تکریم حاصل تھی جو لیلیٰ کو تھی' لیکن وہ اس عزت تکریم کو سب سے آخر میں ہی وصول کرتی تھی۔

وہ بابا صلاح کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اسے یہ ڈر نہیں تھا کہ اسے بھی رومال نہیں دیا جائے گا' اسے کسی شہزادے کا انتظار نہیں تھا۔ وہ ایک خادمہ تھی اور اسے اپنے آقاؤں کے حکم پر ہی سر تسلیم خم کرنا تھا۔ وہ اپنے دل میں ایسی کوئی چاہت نہیں رکھتی تھی جو اس وقت وہاں موجود ہر لڑکی کے دل میں تھی۔

"تم ایک فرماں بردار بیٹی اور با اصول انسان ہو۔"

"اگر ایسا ہے تو مجھے خوشی ہے' بابا۔" اس کی آنکھیں ہر طرح کے لالچ سے مبرا تھیں۔ اس کی ہر جنبش پر احترام اور وفاداری غالب تھی۔ بابا صلاح اسے بہت پسند کرتے تھے۔ وہ ان کی لائق شاگرد رہی تھی۔ اس کے دل کی پاکیزگی انہیں خاص پسند تھی۔

"دنیا میں سب سے زیادہ حقیر انسان کون ہے؟"

"جو دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔"

"اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں اس پوری دنیا کا چکر لگانے جا رہا ہوں تو میں کس جستجو میں جا رہا ہوں؟"

"اگر آپ دانا ہیں تو خود سے زیادہ دانا کی' اگر درویش ہیں تو خدا کی' اگر طالب ہیں تو علم کی اور اگر ایک عام انسان ہیں تو دنیا کی ہر چیز کی جستجو میں جا رہے ہیں۔"

عزیزہ خاتون نے فخر سے یشفین کو دیکھا۔ بابا صلاح کے چہرے کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ انہیں یشفین کے جوابات کس قدر پسند آئے ہیں۔ بابا صلاح نے خوش ہو کر تھیلے میں ہاتھ ڈالا' لیکن ان کا ہاتھ تھیلے سے خالی ہی باہر آیا۔ سب کو نظر آ رہا تھا کہ تھیلا تو خالی ہو چکا ہے۔

"یا بابا! آپ کی دعا میرے لیے کافی ہوگی۔" یشفین نے فوراً کہا۔

"تم جیسی وفادار بیٹی کے لیے ہمت و حوصلے کی دعا اور یہ میرا رومال۔" اپنے کرتے کی جیب میں ہاتھ ڈال کر انہوں نے یک دم اپنا رومال نکال کر اس کے سامنے کیا۔ قونیہ شہر کے وزیروں' پاشاؤں' تاجروں کی شہزادیوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

یشفین کے چہرے کا رنگ اڑ گیا' اس نے کانپتے ہاتھوں سے رومال کو پکڑ لیا۔ اس نے خود کو صرف بابا کی دعا کا حق دار ٹھہرایا تیزی سے لیلیٰ کے پاس آتے اس نے رومال کو اس کی گود میں اچھال دیا اور جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"میں نے تمہارے لیے بابا کی جیب سے رومال حاصل کیا ہے۔"

☆ ☆ ☆

رات گئے گھر واپسی پر گھوڑا گاڑی میں بیٹھے لیلیٰ نے یشفین کے کان میں سرگوشی کی۔ سامنے ہی ماں بیٹھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

اونگھ رہی تھیں۔

"کیا مہمان نے یہاں آنے کے لیے سفر اختیار کرلیا ہوگا۔"

یشفین ہنس دی۔ "تمہیں ابھی سے اتنا بے قرار نہیں ہونا چاہیے لیلیٰ۔"

"امینہ مجھ پر طنز کررہی تھی۔ کہنے لگی تمہارے بابا کو اتنے بڑے شہر میں کوئی لڑکا پسند نہیں آیا جو اتنی دور سے مہمان آرہا ہے۔"

"اس سے کہنا تھا کہ شہزادے ہمیشہ دور سے ہی آتے ہیں۔"

لیلیٰ نے خوش ہو کر اسے دیکھا۔ "تم برجستہ جواب دیتی ہو۔ میری زبان میں لکنت پڑ جاتی ہے۔ تم نے بابا صلاح کا دل بھی جیت لیا' انہوں نے تمہیں دعا عنایت کی۔ لیکن مجھے ان کی دعا مبہم لگی۔ کیا مطلب تھا ان کی دعا کا؟"

یشفین نے ایک ٹھنڈا سانس لیا۔ "شاید یہ کہ میں مشکل حالات کا ہمت سے مقابلہ کرسکوں۔"

"اللہ نہ کرے کہ تم پر کبھی مشکل وقت آئے۔"

☆ ☆ ☆

سرائے کی رات عجیب رہی۔ اسے رات بھر یہ لگتا رہا کہ اصطبل سے کوئی اس کا گھوڑا کھول کر بھاگ رہا ہے۔ نئے شہر میں چوری کے اس وہم نے اس کے مزاج کو گرم کردیا۔ ویسے بھی وہ گرم مزاج لے کر ہی سفر کے لیے نکلا تھا۔ وہ شہر کے اتنے قریب آچکا تھا کہ وہ جس قدر بھی تاخیر کا مظاہرہ کرتا' ظہر سے پہلے شہر تک پہنچ جاتا۔ اس سارے سفر کے دوران وہ یہ ہی چاہتا رہا کہ اسے ڈاکو لوٹ لیں' زخمی کردیں یا وہ راستہ بھٹک جائے ورنہ اس کا گھوڑا کسی کھائی میں پھنس جائے اور وہ دوسرے قافلوں میں پناہ لیتا کسی ایسے شہر پہنچ جائے جہاں اس کے بابا اسے ڈھونڈ نہ سکیں۔ لیکن وہ اپنی ماں کو اپنی سلامتی کے پیغامات بھجواتا رہے۔ یا اس سے کوئی ایسا جرم سرزد ہوجائے کہ اسے قونیہ شہر میں داخل ہی نہ ہونے دیا جائے اور وہ مایوس (دل ہی دل خوش) صورت اپنے شہر' اپنی ماں کے پاس لوٹ جائے۔

گھوڑے نے بھی شاید جان لیا تھا کہ اس کا مالک کتنا بددل ہوچکا ہے کہ اس نے بھی اپنی چال میں تیزی لانے کی کوشش نہیں کی اور دونوں شہر کی طرف جانے والے راستے پر آوارہ گردوں کی طرح' جنہیں گھر جانے کی کوئی جلدی نہیں ہوتی' دھول اڑاتے رہے۔ دور سے شہر نظر آنا شروع ہوا تو اس کا منہ بن گیا۔ بے زاری سے اس نے گھوڑے کی لگام کھینچی اور اس کا رخ سبزے کی طرف موڑ دیا۔ دن ڈھلنے میں ابھی بہت وقت تھا۔ وہ سبزے پر چہل قدمی کرسکتا تھا۔ کیا ضرورت تھی میزبان کے محل میں جاکر قید ہونے کی' جہاں وہ اس کی بے جا خوشامد کریں گے اور سفر کا بے زار کن احوال بصد شوق سننا چاہیں گے۔ دمشق سے فرات تک پکنے والے سارے کھانے اس کے سامنے ڈھیر کردیے جائیں گے اور محترم کی بیٹی اسے بہانے بہانے سے دیکھنے کی کوشش کرے گی۔

کچھ دیر تک وہ یوں ہی باغ کی سیر کرتا رہا۔ گھوڑے کو گھاس چرنے لیے چھوڑ دیا۔ کچھ دور سبزے پر رکھی اسے ایک صراحی نظر آئی۔ اسے پیاس لگی تھی' اس کا پانی ختم ہوچکا تھا۔ پھر صراحی کے قریب اسے ایک لڑکی بھی دکھائی دی۔ اسے مانگ کر پانی پی لینا چاہیے تھا' کیونکہ وہ شام تک شہر کے اندر جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ وہ لڑکی کے قریب گیا جو زمین پہ جھکی شاید کچھ کھود کر نکال رہی تھی۔

"تمہاری صراحی میں پانی ہے تو مجھے دے دو۔۔۔ مجھے پیاس لگی ہے۔"

اچانک آواز پر لڑکی کچھ ایسے گھبرا گئی کہ قریب رکھی صراحی ہاتھ لگنے سے لڑھک گئی اور سارا پانی زمین پی گئی۔ سر سے پھسلتے دوپٹے کو اس نے کھینچ کر پیشانی تک گھسیٹا اور کان سے پلو پکڑ کر چھپانے کی کوشش کی اور پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا اجنبیوں سے ایسے مخاطب ہوا جاتا ہے؟" دھوپ میں تیزی تھی' شاید اسی لیے اس کے لہجے میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

بھی تپش تھی۔
"میں نے تو صرف پانی مانگا ہے۔" وہ پیاسا تھا' شاید اسی لیے لہجہ تیز تھا۔
اور مانگنے والوں کی آواز میں ایسی للکار ہوتی ہے؟" دھوپ بہت ہی زیادہ تیز تھی۔
"میں نے تو التجائیہ مانگا ہے۔" وہ شرمندہ ہوا کہ آخر کار مجیب درّانی کے گھر جانا موخر نہیں ہو سکا تو اس نے غصہ اجنبی لڑکی پر کیوں اتارا۔
"ایسے التجائیہ کہ میری صراحی پھسل گئی' پانی بہہ گیا۔" لڑکی پھولوں کے ڈھیر کے پاس بیٹھی تھی' اس کے قریب ہی کھاد رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ گیلی مٹی سے لتھڑے ہوئے تھے اور وہی مٹی دوپٹا کھینچتے ہوئے اس کے ناک' گال' بھنوؤں پر نقش ہو چکی تھی۔ یوسف شعراوی ایک بد تمیز انسان رہا ہو گا' وہ شنگرفی دوپٹے کی اوٹ سے جھانکتی لڑکی کی آنکھوں کے غصے اور مٹی سے بنے نقش و نگار کو ایسے دیکھ رہا تھا جیسے خط اسود میں لکھے رومی کے شعر کو شمس کی نظر سے پڑھ رہا ہو۔
لڑکی نے صراحی اوپر اس کے پاس کی۔ "اب اسے وہاں سے بھر کر لادو۔" ہاتھ سے اس طرف اشارہ بھی کیا۔ صراحی پکڑ کر' کچھ دور سے بھر کر لا کر' اس نے اس کے قریب نیچے رکھ دی۔ وہ بڑی تن دہی سے کھاد ڈالنے میں مصروف تھی' اس لیے اس پر قطعاً" کوئی توجہ نہ دی۔
"میں مسافر ہوں... راستہ بھول گیا ہوں۔" اصفہان سے قونیہ آتے ہوئے اس نے کسی سے ایک بار بھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ مسافر ہے۔ جو سفر ہی اسے منظور نہیں تھا۔ اس کا اعلان کیسے مطلوب ہوتا۔ البتہ اپنی منزل پر پہنچتے ہی اسے یاد آگیا کہ وہ تو "مسافر" ہے اور راستہ بھی بھول گیا ہے' جبکہ شہر وہ سامنے ہی نظر آرہا تھا۔
صراحی سے پانی نکال نکال کر پھولوں پر چھڑکاؤ کرتے اس کے ہاتھ رک گئے' اس نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ "راستہ بھول جانے والے مسافر باغ میں فراغت سے ٹہلا نہیں کرتے۔"
"میں ٹہل نہیں رہا' میرے گھوڑے کو بھوک لگی تھی' اس کی خوراک کی خاطر رک گیا تھا۔"
لڑکی نے سر گھما کر ذرا دور اسی کی طرح "ٹہلتے گھوڑے" کو دیکھا۔ "گھوڑے کو اتنی بھوک لگی ہے کہ وہ گھاس کھا نہیں رہا تھا سونگھ رہا ہے۔"
بھنا کر یوسف نے گھوڑے کی لگام کو پکڑا اور اس پر بیٹھ گیا۔ وہ لاجواب ہو گیا تھا اور بلاوجہ ہی اسے اس پر غصہ آگیا۔
"کیا اس شہر کے سب ہی لوگ تم جیسے بد تمیز اور بد لحاظ ہیں۔"
"اتنے نہیں جتنے تم ہو... تم گھوڑے پہ سوار ہو کر ایک لڑکی سے مخاطب ہو۔ کیا تم میں اتنا بھی اخلاق نہیں کہ ایک عورت کو کبھی بھی بلندی سے مخاطب نہیں کرتے۔ نہ پہاڑ کی چوٹی سے' نہ گھوڑے کی پیٹھ سے۔" یوسف نے اپنا سر گھومتے ہوئے محسوس کیا۔ اسے لگا کہ اس کی اب تک کی زندگی اکارت گئی۔ مدرسوں کی مار' کتابوں کے رٹے' عقل مندی اور دانائی کی باتیں' سب ہیچ رہیں۔ وہ فوراً" گھوڑے سے کود کر نیچے کھڑا ہو گیا۔
"میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔"
"یعنی آخر کار یہ فیصلہ ہو گیا کہ یہ ہی وہ شہر ہے جس کا راستہ تم کچھ دیر پہلے تک بھولے ہوئے تھے۔"
"صبح سرائے میں اس نے کس کی شکل دیکھی تھی... آآآ... پانی کے برتن میں اپنی..."
"شہر کے راستوں کے بارے میں انجان ہوں۔"
"حیرت ہے۔ ایک مسافر' ایک عورت سے راستہ پوچھنا مناسب سمجھتا ہے۔ وہ یہ تک نہیں جانتا کہ عورتیں راستے نہیں بتایا کرتیں' یہ کام مردوں کے ہوتے ہیں۔ ورنہ انہیں بھٹکا ہوا مانا جاتا ہے۔" یوسف کی ساری عقل مندی اس کے قدموں میں آگری۔ اس کا مکر اس کا منہ چڑانے لگا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا دی اور چارہ ہی کیا تھا۔ کیا وہ اپنی ساری عقل مندی سے وہیں ہاتھ دھو بیٹھتا؟

WWW.PAKSOCIETY.COM

شہر کے اندر داخل ہو کر وہ گھوڑے سے اتر گیا اور اس کی لگام پکڑے پکڑے چلنے لگا۔

"شہر اچھا ہے۔" اپنی تختیاں لہراتے' چلاتے' چھٹی کے وقت مدرسے سے نکلنے والے بچے جب اس کے قریب سے گزرے تو اس نے سوچا۔

بڑھئی جو میز کی سطح پر لکیریں ٹھونک رہا تھا اس کو دیکھتے' قہوہ پیتے دو بوڑھے۔ اجنبی کو اپنے شہر میں دیکھ کر خوش دلی سے مسکرائے' انہیں ہاتھ پیشانی تک لے جا کر سلام کرتے اور خشک میووں کا تھال سر پر اٹھائے خوانچہ فروش جو نامعلوم کس زبان میں آوازیں لگا رہا تھا کے قریب سے گزرتے اسے شہر اور زیادہ اچھا لگا۔

ٹھیک ہے' اسے مجیب درآبی کے گھر جانا ہی ہے' لیکن خوش آئند بات یہ ہے کہ وہ یہ جان چکا ہے کہ اس نے اپنی اب تک زندگی میں دو بڑی غلطیاں کی ہیں۔

"گھوڑے پر سوار ہو کر لڑکی سے بات کرنے کی۔۔۔ اسی لڑکی سے راستہ پوچھ لینے کی۔" مشک فروش کی دکان کے اندر سر سری جھانکتے ہوئے اس نے اپنی دو اور غلطیاں جان لینے کا ارادہ کیا۔

اسے اس لڑکی سے دوبارہ ملنا چاہیے۔۔۔ لیکن کیسے۔۔۔؟

اسے اس لڑکی سے کچھ اور باتیں کرنی چاہئیں۔۔۔ لیکن کیوں؟

وہ اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہے۔۔۔ لیکن؟ ہاں۔۔۔ بس دیکھنا چاہتا ہے۔

☆ ☆ ☆

خالی صراحی کو ہاتھ میں پکڑے وہ گھر میں داخل ہوئی اور حوض کے کنارے بیٹھ کر اپنے پیروں کی مٹی دھونے لگی۔ پانی میں اسے اپنا عکس نظر آیا تو چہرے پر مٹی لگی نظر آئی۔ وہ جلدی جلدی منہ دھونے لگی۔ لیلیٰ جو اس کے انتظار میں نہ جانے کتنے پہر سے اپنا سانس روکے ہوئے تھی' بالائی منزل سے پھاندتی ہوئی نیچے آئی کہ راستے میں آنے والی کتنی ہی چیزیں اس کی ٹھوکر سے لڑھک کر ادھر ادھر جا گریں۔ ماں عزیزہ نے تاسف سے لیلیٰ کو دیکھا۔

"وہ آچکا ہے۔" لیلیٰ نے کچھ اس شدت سے اس کے کان میں گھستے ہوئے کہا کہ وہ حوض میں گرتے گرتے بچی۔ بشفین ویسے تو بھنائی ہوئی تھی' لیکن لیلیٰ کے جوش پر اپنا غصہ بھول گئی۔

"کب؟ عکرمہ تو کہہ رہا تھا شاید وہ عید کے چاند آئے۔"

"وہ بہار کے چاند آچکا ہے۔ میرا خیال ہے' مجھے رات کے کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ پکا لینا چاہیے۔"

"میرا خیال ہے' ایسا غضب ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ سنا ہے حکیم بابا شہر سے باہر ہیں۔" لیلیٰ نے اس کی کلائی پر چٹکی بھری۔

"ماں اس کے لیے رات کی دعوت کا انتظام کر رہی ہیں۔ کیا ہم چپکے سے اسے دیکھ آئیں۔"

"عکرمہ کہاں ہے؟"

"مہمان کو آرام کرنے کے لیے چھوڑ کر وہ گھر سے باہر چلا گیا ہے۔" لیلیٰ کو شرارت سے دیکھتی' وہ حوض کے کنارے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں کوشش کرتی ہوں۔"

"ضرور کرو۔۔۔ ناکام نہ لوٹنا۔" جوش سے لیلیٰ کی آواز بلند ہو گئی اور خادمائیں کھی کھی کرنے لگیں۔

ناکام نہ لوٹنے کے لیے بشفین صحن سے گزرتی' روش پر چلتی' باغ کی دیوار کے پاس آئی جس کے دوسری طرف مہمان خانہ تھا۔ دیوار میں خادموں' خدمت گاروں کی آمد و رفت کے لیے ایک دروازہ تھا۔ مہمان خانے کے تین اطراف باغ تھا۔ ایک طرف اصطبل جس کا دروازہ شہر کے معروف راستے کی طرف کھلتا تھا۔ مجیب درآبی کے خاص مہمان آٹھ کمروں اور ایک وسیع طعام گاہ پر مشتمل اسی مہمان خانے میں رہتے تھے۔ یہیں شہر کے معززین کی دعوتیں کی جاتیں۔ یہیں مجیب درآبی کے کاروبار سے متعلق معاملات طے پاتے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ بند دروازے کے پاس آئی تو وہاں خادموں کی کافی چہل پہل تھی۔ وہ کوشش کرتی تو شاید اندر چلی جاتی اور مہمان کی ایک جھلک دیکھ کر لیلیٰ کو بتا دیتی' لیکن اسے یہ ڈر تھا کہ عکرمہ مہمان خانے کے بیرونی دروازے سے اندر آگیا تو بہت ناراض ہوگا۔ وہ ویسے بھی اس پر ناراض ہونے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ اس نے بہانے سے ایک خادم سے بس اتنا کہا۔

"رات کے لیے مہمان سے ان کی پسند کے کھانوں کے بارے میں پوچھ لیا جائے۔"

کہہ کر وہ باورچی خانے میں آگئی جہاں ماں عزیزہ کھانے کی خاص نگرانی کررہی تھیں۔ اس نے انہیں باہر بھیج دیا اور کھانوں کی صورت حال دیکھنے لگی۔ ماں عزیزہ کے جوش پر وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔ ایک انسان کے لیے انہوں نے بیس مہمانوں جتنا کھانا بنوانا شروع کررکھا تھا۔ باورچی خانے میں آگ پر اور باہر باغ میں کوئلوں پر' جس حساب سے کھانے پک رہے تھے' وہ کسی دعوت میں پکائے جانے والے کھانوں کی تیاری کا تعدیہ دے رہے تھے۔

وہ باغ کے کھانوں کی صورت حال دیکھنے کے لیے باہر نکلی تو خادم اس کے پاس آیا۔ اس کا منہ اترا ہوا تھا۔

"مہمان بے زبان ہوتا ہے۔ اگر مجھ سے میری پسند پوچھی گئی تو میں کسی بادشاہ کی طرح حکم صادر کروں گا' حکم عدولی پر میں سر قلم کرادوں گا' یولو منظور ہے۔"

"یہ مہمان نے کہا ہے۔" یشفین' خادم کا منہ دیکھتی رہ گئی۔ اب وہ لیلیٰ کو جاکر کیا بتائے کہ مہمان کافی بدزبان ہے۔

وہ لیلیٰ کے پاس آئی جو آئینے کے سامنے کھڑی اپنے بالوں کو تہ در تہ بٹھا رہی تھی۔ وہ تیار ہورہی تھی جبکہ وہ جانتی تھی کہ یہ ممکن نہیں کہ ایک جھلک ہی سہی' مہمان اسے دیکھ سکے۔

وہ شہر کی سب سے حسین لڑکی تھی۔ اگر وہ ایک دن نقاب اتار کر شہر میں چہل قدمی کرلیتی تو سارے شہر میں اس کے حسن کے چرچے ہوتے۔ حسن اور پھر اس کی آرائش۔ ملبوسات' زیورات' سامان آرائش اور خوشبوئیں' وہ ان کی ایسے مالک تھی کہ دنیا کی ہر عورت محروم ہی تھی۔ اس کی آواز شیریں اور میٹھی تھی۔ انداز میں بڑی معصومیت تھی۔ گھر کی خادمائیں اسے بے وقوف کہتیں۔ لیکن یشفین جانتی تھی کہ ساری دنیا بھی کھنگال لی جائے گی تو ایک لیلیٰ حاصل نہیں ہوپائے گی۔ اگر وہ بے وقوف تھی بھی تو وہ دوسروں کے لیے بے ضرر تھی۔

"تم ناکام لوٹ آئی ہو' تمہاری شکل بتا رہی ہے۔"

"مہمان کے آتے ہی تم نے میری شکل پڑھنا سیکھ لی ہے۔" لیلیٰ ہنسنے لگی۔ یشفین نے محبت سے اس کی ہنسی کو دیکھا۔ جس انداز میں وہ آج ہنس رہی تھی' پہلے کبھی نہیں ہنسی تھی۔ وہ خوش تھی تو وہ بھی خوش تھی۔ اس کا سب کچھ لیلیٰ اور ماں عزیزہ ہی تو تھے۔ اس کے اپنے بابا عبدالوہاب جو لیلیٰ کے دادا کے تجارتی قافلوں کے نگران تھے۔ ایک قافلے کے ساتھ سفر میں ڈاکوؤں کے حملے میں مارے گئے۔ وہ تب ایک سال تین ماہ کی تھی۔ جب چھ سال کی ہوئی تو ماں الزہرہ گھر میں بھڑکنے والی آگ میں پھنسی لیلیٰ کی جان بچاتے ہوئے اپنی جان گنوا بیٹھیں۔

"بابا نے وفاداری نبھاتے جان دے دی اور ماں نے لیلیٰ کی جان بچاتے۔"

اس کے بابا اور ماں کی قربانیاں اس کے نسب میں سنہرے حروف سے لکھ دی گئیں۔ ماں عزیزہ نے اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ اس کے رونے پر وہ تڑپ اٹھیں۔ اسے بہلانے کے ہزار جتن کرتیں۔ انہوں نے اسے لیلیٰ کے کمرے میں سلانا شروع کردیا۔ گودام کی طرف جہاں خادماؤں کے لیے رہائش مخصوص تھی' وہاں سے اس کا سامان اٹھالیا گیا۔

وہ بڑی ہوئی تو اسے لیلیٰ کے کمرے کے ساتھ والا کمرہ دے دیا گیا۔ اس کا کمرہ لیلیٰ کے کمرے سے چھوٹا تھا' لیکن آرام دہ اور خوب صورت تھا۔ کمرے کی کھڑکی لیلیٰ کے کمرے کی طرح باغ کے رخ کھلتی تھی' جس کے عین سامنے حوض اور فوارہ تھا۔ آہستہ آہستہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کے پاس بھی وہ سب آنے لگا جو لیلیٰ کے پاس تھا۔ اس کے کمرے میں رکھا صندوق خوب صورت کپڑوں اور زیورات سے بھرنے لگا۔ اس کا بستر نرم گرم اور ریشمی ہو گیا۔ کمرے کی آرائش لیلیٰ کے کمرے کی طرح کر دی گئی۔ سب سے خاص یہ کہ بچپن کی سہیلی لیلیٰ اس کی بہن بن گئی تھی۔

وہ ایک خادمہ کی بیٹی ہے' یہ بات وہ کبھی نہیں بھولی تھی۔ اس نے سارے گھر کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا ایسا نہیں تھا کہ اسے ہاتھ سے کام کرنا پڑتا تھا۔ اس پر کوئی سختی نہیں تھی' لیکن وہ لیلیٰ کی طرح ایک بیٹی بن کر کیسے رہ سکتی تھی۔ وہ صبح گھر میں کسی بھی خدمت گار سے پہلے اٹھتی اور باغ اور حوض کی صفائی شروع کروا دیتی۔ کھانے کی تیاریاں دیکھتی۔ اخراجات کا حساب لکھتی۔ اناج کا ایک ایک دانہ اس کی نظر سے ہو کر گزرتا۔ بازاروں سے وہ خود دیکھ بھال کر اشیا لاتی۔ تاجروں سے ریشم کے تھانوں' مسالوں اور زیورات کی خرید و فروخت میں بلا کی فہم و فراست کا مظاہرہ کرتی۔ وہ ماں عزیزہ اور لیلیٰ کے لیے سب سے بہترین لباس حاصل کرنے میں ہمیشہ کامیاب ہو جاتی۔

خادموں پر وہ سختی نہیں کرتی تھی' لیکن اس کی نرمی ہی کڑی سختی تھی۔ مہمانوں کی خدمت میں کوئی کسر نہ رہنے دی جاتی۔ مجیب درانی کی دعوتوں کا انتظام کئی کئی دن پہلے ہی شروع ہو جاتا تھا اور وہ ان دعوتوں کو فقید المثال بنا دینے میں کوئی عذر نہ رکھتی۔ چونکہ اسے لیلیٰ کے برابر جگہ دے دی گئی تھی تو اسے گھر کی کسی بھی خادمہ سے زیادہ اپنی وفاداری نبھانی تھی۔ یہ بھاری ذمہ داری تھی' لیکن وہ اپنی ماں کی طرح بہادر تھی جو جلتی ہوئی آگ میں کود گئی تھی۔

ماں عزیزہ اور لیلیٰ کی محبت کا کوئی مول نہیں تھا' لیکن جتنی محبت وہ دونوں اس سے کرتی تھیں' اتنا ہی مجیب درانی اور عکرمہ اس سے خائف رہتے تھے۔ عکرمہ' ماں عزیزہ کے خیال سے اکثر خاموش رہتا تھا' لیکن مجیب درانی گاہے بگاہے اسے یہ یاد دلاتے رہتے تھے کہ وہ ان کی صرف "کنیز" ہے۔ وہ لیلیٰ کی محبت کے ہاتھوں مجبور تھے' ورنہ لیلیٰ کے کمرے کے ساتھ کے کمرے کو وہ اصطبل بنا دیتے لیکن کسی خادمہ کو نہ دیتے۔ شفین عکرمہ اور مجیب درانی کے رویے سے اچھی طرح سے واقف تھی۔ اسی لیے وہ اس حقیقت کو اپنے دل سے فراموش نہیں ہونے دیتی تھی کہ وہ کون ہے۔

☆ ☆ ☆

"یقیناً" تمہیں عکرمہ پر غصہ آیا ہو گا کہ اس نے مہمان کو پردے میں کیوں رکھا ہوا ہے۔" لیلیٰ کی سہیلیاں اور وہ دریا کی سیر کے لیے آئی تھیں۔ وہ سب دریا کے کنارے قالین پر بیٹھی تھیں۔ ذرا دور خادمائیں کھانا پکا رہی تھیں۔

"مہمان عصیلا ہے۔" شفین نے شرارت سے کہا اور لیلیٰ کے شرمیلے چہرے کو دیکھا۔

"اچھا۔" وہ سب ایک ساتھ چلائیں۔

"کس بات پر غصہ کرتا ہے۔" فاطمہ نے پوچھا۔

"کہتا ہے' میری دلہن مجھے دکھائی جائے۔ ورنہ میں پورے شہر کو پانی میں بہا دوں گا۔"

"اللہ اللہ۔" لیلیٰ ہنستے ہنستے بے حال ہو گئی۔

"چپ رہو شفین۔"

"تم بولتی رہو شفین۔ اچھا یہ بتاؤ تم نے دیکھا ہے اسے؟"

"نہیں' لیکن لیلیٰ۔ چاہتی ہے کہ وہ اس سے زیادہ خوب صورت ہو۔ کیوں لیلیٰ؟" لیلیٰ کے گالوں پر اناری رنگ بکھر گئے۔

"اس دریا میں اپنا ہاتھ ڈبو دو لیلیٰ' تاکہ سارا شہر جان لے' لیلیٰ شرما رہی ہے۔" ایک اور قہقہہ بلند ہوا۔

"لیلیٰ کا دولہا باغ کی دیوار کے اس پار ہے اور لیلیٰ اسے دیکھنے کے لیے تڑپ رہی ہے۔ یہ ظلم ہے۔ مجھے عرب کے سلطان کی تلوار دی جائے' تاکہ میں اس ظلم کے خلاف میدان میں اتروں۔" صنوبر نے کھڑے ہو کر تلوار کو بلند کیا اور للکار کر کہا۔

"میں کیوں تڑپوں گی۔ وہ تڑپ رہا ہو گا۔" لیلیٰ نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

آخر کار شرمانا ترک کیا۔

"اگر میں لیلیٰ کی جگہ ہوتی تو کسی مرد ملازم کا بھیس بدل کر اسے دیکھ آتی۔" اُم کلثوم نے کہا۔ لیلیٰ نے منہ کھول کر ام کلثوم کو دیکھا۔ پھر وہ قہقہہ لگانے لگی۔

"آج رات میں یہ کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"لیکن دیکھنا پکڑی نہ جانا۔۔۔ یشفین! تم کیوں نہیں کوشش کرتیں؟"

"نہیں نہیں۔۔۔ یشفین! تم اس طرف ہرگز نہ جانا۔ یہ نہ ہو وہ لیلیٰ کی بجائے تمہیں پسند کرلے۔"

"تو کرلے پسند۔۔۔ یشفین کیا کم ہے مجھ سے۔۔۔" لیلیٰ نے فوراً کہا اور یشفین کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"کیوں نہ اس کے کمرے میں چوہوں کو چھوڑ دیا جائے۔ تاکہ وہ گھبرا کر اپنے کمرے سے باہر نکل آئے اور ہم اسے بالائی منزل سے دیکھ لیں۔" یشفین نے دانش مندانہ انداز سے اپنی دانش مندی ظاہر کی۔

"چوہوں کو زحمت نہ دو۔۔۔ تم دونوں چوہیاں ہو نا۔" پھر سے ایک ساتھ سب کے قہقہے بلند ہوئے اور دریا کے پانی نے کبھی نہ رُکنے والے وقت کو سوالیہ دیکھا۔

☆ ☆ ☆

"مہمان بہت شکایتی اور غصے والا ہے۔ وہ کل اس چیز کی شکایت بھی کررہا تھا کہ چراغوں کی روشنی مدھم اور دھواں زیادہ ہے۔ کیا کبھی چراغوں سے بھی اتنا دھواں نکلا ہے کہ وہ کھانسی کے عارضے میں مبتلا کردے یا بینائی کو دھندلا دے۔" وہ اپنی نگرانی میں کھانا بنوا رہی تھی کہ خادموں کی کھسر پھسر اسے سنائی دی۔

"رات بھر اسے ریشم کم خواب کا بستر بھی کانٹا رہا ہے۔ اسے اس پر بھی اعتراض رہا ہے کہ اس کے گھوڑے کو ٹھیک سے کھلایا پلایا نہیں جارہا۔ گھوڑا بھی مالک پر گیا ہے' میں نے پیار سے اس کی پیٹھ تھپتھپائی تو اس نے مجھے لات کھینچ ماری۔"

یشفین زیر لب مسکرائے بنا نہیں رہ سکی۔ اس نے مہمان کے لیے کھانے کے تھال تیار کرکے ایک ایک کرکے خادموں کے ہاتھوں میں دیے۔ رات کو جو کھانا اس کے لیے اتنے اہتمام سے بنایا گیا تھا اس نے کچھ خاص رغبت سے نہیں کھایا تھا۔ اس لیے اسے کہنا پڑا۔

"مہمان مکرم سے کہنا' رزق کے ضیاع پر ان سے جواب طلب ہوگا۔"

واپس پر تھال خالی ملے۔

"مہمان ضدی ہے تو فرماں بردار بھی ہے۔ غصیلا ہے تو صلح جو بھی ہے۔" وہ لیلیٰ کے کان میں تھسی کہہ رہی تھی۔

"تو پھر ہم بھیس بدل کر مہمان خانے میں جائیں۔"

"مجھے لگتا ہے ہم اسی بھیس میں قتل کردی جائیں گی۔ عکرمہ کے غصے سے تم واقف ہو۔"

"اگر میں ایسے قتل ہوگئی تو لیلیٰ اور مجنوں کی طرح عرب کی ریت پر' گلستاں بن کر لہلہاؤں گی۔"

"تم لیلیٰ ہو' لیکن وہ مجنوں نہیں۔"

"اسے مجنوں بننے میں کتنا وقت لگے گا یشفین۔۔۔" لیلیٰ نے منہ لٹکالیا۔

یشفین نے قہقہہ لگایا۔ "ایسی ایسی باتیں نہ کرو۔"

"دیکھو نا' اتنا خاص مہمان گھر میں موجود ہے اور بابا گھر میں موجود نہیں ہیں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔ ہم ایک لمبے عرصے تک اس غصیلے مہمان کے میزبان بنے رہ سکتے ہیں اور مہمان شہر کی سیر بھی کرلے گا۔"

مہمان شہر کی سیر کررہا تھا' بازار میں ٹہل رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک اس خطاط کے پاس بیٹھا رہا تھا جو سنگ مرمر پر شیرازی کے اشعار کے خط کھینچ رہا تھا۔ پھر وہ اس ظروف ساز کی دکان میں آگیا جو ہر راہ گیر کو دکان میں آنے کی دعوت کچھ اس انداز میں دے رہا تھا جیسے اندر ظروف نہ ہوں' عقاب' گھوڑے یا شیر ہوں۔۔۔ وہ بھی زندہ۔۔۔ وہ بھی آپ کے حکم کے تابع۔۔۔ آیئے ان پر آکر بیٹھ جایئے۔ ورنہ انہیں اپنے گھر لے جایئے۔

وہ ظروف دیکھنے لگا۔ اسے چاندی کی ایک صراحی

WWW.PAKSOCIETY.COM

پسند آئی۔ وہ اسے ہاتھ میں لے کر خریدنے کے بارے میں سوچنے لگا۔

"یہ کوئی عام صراحی نہیں' عزیزم۔۔۔ ایسی ہی ایک صراحی سلطان کے محل میں موجود ہے۔ یہ دو ایک جیسی صراحیاں تھیں جو بندرگاہ سے بچھڑ گئیں۔ اگر تم اسے خرید لیتے ہو تو۔۔۔"

ظروف ساز اپنے موٹے پیٹ اور گردن تک جھولتے بالوں میں الہ دین کے چراغ کے جن کی مانند لگ رہا تھا۔

"تو سلطان ہی اسے کیوں نہیں خرید لیتے؟"

"سلطانوں کے مزاج سے تم واقف ہو۔ ایسی چیزیں ان کی ناک سے نیچے ہی رہتی ہیں جو عام آدمی کے ہاتھ میں آجاتی ہیں۔"

اس نے صراحی واپس رکھ دی۔ سلطان کے محل کے لیے۔ پھر وہاں کے لیے ایک کنگھی دیکھنے لگا۔

"واہ عزیزم! تمہاری پسند کی داد دینی پڑے گی۔ تم نے ساری دکان چھوڑ کر شیریں کے گیسوؤں کو چھو کر آنے والی کنگھی کا انتخاب کیا۔ تمہاری محبوبہ اسے۔۔۔"

"یہ میں اپنی ماں کے لیے۔۔۔" اس نے جتا کر کہا۔ مسکرا کر بھی۔۔۔

"تمہاری محبوبہ تمہاری ماں کے ہاتھ میں یہ کنگھی دیکھ کر جل جائے گی۔ ظالم محبوبہ کو جلانے کا یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دو۔" فوراً" سمجھ کر اس نے بات بدل دی۔

یوسف زیر لب ہنس دیا۔ ظالم محبوبہ کو جلانے کا موقع اس نے ہاتھ سے جانے دیا۔ کنگھی واپس رکھ دی ظروف پر ایک اور نظر ڈالتے ہوئے اس نے یہ جانا کہ وہ جو سامنے پیالہ رکھا ہے' وہ صلاح الدین ایوبی کے اس محافظ کا پیالہ ہے جس نے سلطان کو قتل کرنے کے لیے آنے والے کا خنجر اپنے سینے پر کھایا تھا اور وہ طشتری جس کی سطح اپنی چمک کھو چکی ہے' مولانا رومی کے حجرے میں کھجوروں سے بھری رکھی رہتی تھی اور وہ خوب صورت شمع دان شہرزاد کا ہے' جو وہ ہر رات شہزادے کو کہانیاں سناتے ہوئے خوف سے بچنے کے لیے روشن رکھتی تھی۔

یوسف نے آگے بڑھ کر آئینہ پکڑ لیا۔ وہ چاند کی شکل کا' نقشین چوکھٹے میں چشمے کے پانی کی طرح شفاف آئینہ تھا۔ الہ دین کے جن نے اسے آئینے کی کہانی سنانا شروع کردی تھی' لیکن وہ اس کہانی کو سن نہیں رہا تھا' کیونکہ دکان کے جس کنارے پر وہ کھڑا تھا' اس کے پیچھے بازار کا عکس اس آئینے میں دکھائی دے رہا تھا۔ وہ آئینے کو ہاتھ میں پکڑے نظر آنے والے عکس کے موافق اسے گھما رہا تھا۔ پورے بازار سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا' لیکن جس سے تھا' وہ جگہ جگہ رک کر خریداری کررہی تھی۔ وہ خطاط کے پاس بھی کھڑی ہوگئی تھی اور اس نے بڑھئی کے پاس بھی کھڑے ہوکر کچھ چیزوں کی جانچ پڑتال کرتے ہوئے ہدایات دی تھیں۔

اس کے ساتھ دو عورتیں تھیں جن کے ہاتھوں میں سامان کے تھیلے تھے۔ وہ اتنے وزنی ہوچکے تھے کہ اس نے انہیں اشارہ کیا کہ وہ چلی جائیں۔ وہ چلی گئیں تو وہ اپنی سیاہ چادر سنبھالتی ظروف ساز کی دکان کی طرف آنے لگی۔ وہ بالکل کنارے پر ہی تو کھڑا تھا' آئینے میں یوں یک دم اسے اتنا قریب آتے دیکھ کر اس کے ہاتھ سے آئینہ پھسل گیا اور وہ عین اس کے پیروں میں گر کر ٹوٹا۔ وہ ڈر کر کچھ قدم دور ہوئی اور اپنی چادر کا پلو کھینچ کر دانت میں لے لیا۔ پھر وہ اتنے قیمتی آئینے کو اٹھانے کے لیے فوراً" جھکی اور عین اسی وقت وہ بھی جھک گیا۔ ٹوٹی ہوئی کتنی ہی کرچیوں میں ان دونوں کا عکس سورج کی کرنوں کی طرح بکھر گیا۔ اس کی آنکھ اور آنکھ کا غصہ کتنی ہی آنکھوں میں مرتسم ہوگیا۔

آئینے کی کہانی سناتے الہ دین کے جن کی زبان کو جھٹکا لگا اور اس نے مڑ کر اس آئینے کا حشر دیکھا' جو مجنوں نے لیلیٰ کو دیا تھا۔

"اللہ اللہ' مجنوں کا آئینہ لیلیٰ کے قدموں میں کرچی کرچی۔۔۔ اب اس کی قیمت چار گنا ہوگئی نا۔"

"سلام چچا۔۔۔" خائف نظروں سے اسے دیکھ کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

چراغ کے جن کو سلام کر کے وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ شرمندہ شرمندہ سا اٹھ کر کھڑا ہوا اور جلدی سے جن چچا کے ہاتھ میں سکے دیے اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔

"مجھے خود سے بات کرنے کی اجازت دیں گی" اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ دوبارہ اس سے ملے گی تو وہ ایسے بات شروع کرے گا جو اسے نامناسب نہ لگے۔ یا جواب میں اسے کچھ سخت الفاظ سننے کو نہ ملیں۔ وہ اس سے چند قدم دور چل رہا تھا۔

وہ رکی اور پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔ "کتنے شریف انسان ہیں آپ.... سرِراہ ایک خاتون سے بات کرنے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔"

یعنی ساری سوچ و بچار بے کار رہی۔ بات سچ تھی، حرکت نامناسب۔ اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"پھر یہ اجازت کہاں مل سکتی ہے؟"

"اس شہر میں حکیم بھی میسر ہیں اور حکمت بھی.... جس سے چاہیں مل کر اپنا علاج کروالیں۔" ہنس کر اس نے کہا اور چلی گئی۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔ کیا کرے اور کیا نہ کرے کی حالت میں....

شام کو مجیب درّانی کے گھر کا خادم اسے ڈھونڈتا ہوا آیا۔

"آج رات آپ کو جناب عبدالفتاح کی دعوت میں شریک ہونا ہے۔"

اسے یاد آیا، عکرمہ نے اسے دن میں ہی بتا دیا تھا کہ آج رات اسے شہر کے ایک معزز کی دعوت میں شرکت کرنی ہے جو سلطان کے مشیر خاص کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ گھر واپس آیا اور عکرمہ کی معیت میں دعوت میں آگیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ عکرمہ اس بات پر پھولے نہیں سما رہا کہ ان کی وجہ سے اسے سلطان کے مشیر خاص کے قریب ہونے اور اس کے محل میں جانے کا موقع مل رہا ہے۔ ویسے تو اسے مجیب درّانی کے گھر کی کوئی ایک بھی چیز پسند نہیں آئی تھی، لیکن عکرمہ تو اسے خاص طور پر ناپسند ہوا تھا۔ وہ جتنا وقت اس کے ساتھ رہتا تھا، مجیب درّانی کی دولت، رتبے، جاہ و جلال کی کہانیاں ہی سنتا رہتا تھا۔ اب اسے کامل یقین ہو چکا تھا کہ مجیب درّانی اس سے کہیں بڑھ کر ہے جتنا وہ بابا کی باتوں سے سمجھتا رہا تھا۔ اگر وہ ماں کو عہد دے کر نہ نکلا ہوتا کہ وہ آخری وقت تک معاملات میں نرمی برتے گا تو شاید وہ کسی رات اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر اس شہر سے بھاگ جاتا۔

☼ ☼ ☼

دعوت میں مصری مغنّیہ اپنی آواز کا جادو جگا رہی تھی۔ باغ میں ہر طرف چہل پہل تھی۔ عکرمہ کے ساتھ وزیروں، تاجروں، پاشاؤں، امراء سے ملتے ملتے وہ اتنا بے زار ہو چکا تھا کہ اس نے خوش دلی سے ہوں ہاں کرنا بھی بند کر دیا تھا۔ اس کی ساری تحمل مزاجی، آنکھوں کی سختی کے راستے رخصت ہو جانے کو تھی کہ عکرمہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے محل کے اندر لے آیا تاکہ اسے وہ نوادرات دکھا سکے جو مشیر خاص کی ملکیت تھے اور جن سے طرح طرح کے اعزازات منسلک تھے۔ اسے ان چیزوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی، خاص کر دن میں آئینہ ٹوٹنے کے بعد سے لیکن وہ باہر کے ہنگامے کی نسبت اندر کچھ سکون محسوس کر رہا تھا۔

"میں ان کا باریک بینی سے مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔" عکرمہ سے جان چھڑانے اور کچھ وقت اکیلے رہنے کے لیے اس نے کہا۔ عکرمہ کا دل مغنّیہ کی آواز میں اٹکا تھا۔ وہ یہاں اسے متاثر کرنے لایا تھا، لیکن یوں اس کے ساتھ بندھ کر بیٹھنے نہیں۔ اسے جلدی باہر آنے کا کہہ کر وہ چلا گیا۔

نوادرت سے لبالب بھرے کمرے میں وہ کچھ دیر یوں ہی ٹہلتا رہا۔ پھر چپ چاپ نشست پر بیٹھ گیا۔ اونچی دیواریں، قیمتی سامان آرائش، روشن فانوس، جہم خواب کے پردے، منقش نشستیں۔ وہ بے زاری سے ایک نظر دیکھ کر رہ گیا۔ اسے دولت کی نمائش نے کبھی متاثر نہیں کیا تھا۔

کچھ دیر تک یوں ہی بیٹھا رہا، پھر ایک قدیم نایاب کتاب کی ورق گردانی کی کوشش کرنے لگا، جس کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

حروف اتنے دھندلے اور مٹے ہوئے تھے کہ انہیں پڑھنے کی کوشش کرنے سے بہتر تھا کہ وہ اپنی آنکھیں پھوڑ لیتا۔ اپنی آنکھوں کو پھوڑنے سے بچانے کے لیے اس نے کتاب بند کردی۔ مغنیہ اور اس کے سازندے خاموش ہو چکے تھے۔ اس سے پہلے کہ عکرمہ اسے باہر سے لینے آئے' اسے ہی اس کے پاس چلے جانا چاہیے۔ کمرے میں موجود تین دروازوں میں سے وہ ایک دروازے سے باہر نکل گیا۔ راہ داری سے گزرتے دوسرے کمرے کی کھڑکی سے اسے باغ نظر آگیا۔

"عکرمہ مجھے اتنا گھما کر اس کمرے میں کیوں لایا تھا تاکہ میں پورے محل کی شان و شوکت سے متاثر ہو جاؤں؟"

اسے غصہ آیا کہ باغ تو یہ کچھ دور سامنے ہی ہے۔ ہاں واقعی باغ تو یہ سامنے ہی تھا۔ لمبی راہ داری ابھی ختم ہی ہوئی تھی کہ ایک ساتھ کئی نسوانی چیخیں اس کی سماعت سے ٹکرائیں اور اس کے قدم جہاں تھے وہیں ساکت ہو گئے۔

راہ داری جو باغ کی سمت محرابی برآمدے میں نکلتی تھی اس کے آخری سرے پر کچھ لڑکیاں کھڑی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی انہوں نے حیرت سے چیخ ماردی کہ ایک اجنبی مرد کا وہاں کیا کام۔ حواس باختہ ہو کر وہ جلدی سے واپس پلٹا اور کمرے میں گھس گیا' لیکن یہ کیا یہاں بھی چند خواتین موجود تھیں۔ وہ اتنی بری طرح سے شرمندہ ہوا کہ سر جھکا کر تیزی سے باہر نکلا اور نہ جانے کتنے دروازے' کتنی راہ داریاں' کتنے کمرے پار کرتے کرتے وہ تھک گیا' لیکن راستہ تھا کہ مل ہی نہیں رہا تھا۔ اسے اپنے پیچھے بھاگتے قدموں کی آواز بھی آئی جیسے کوئی اسے غصے سے ڈھونڈ رہا ہو' شاید گھر کی خادمائیں۔ اگر ایسے وہ یہاں سے پکڑا گیا تو یہ تو شرمندگی کی انتہا تھی۔ نہ صرف وہ یہاں مہمان ہے' بلکہ وہ اس شہر میں بھی مہمان ہے۔ وہ تیزی سے ایک سے دوسرے راستے کی طرف مڑنے لگا۔ دروازوں کے پیچھے چھپ جاتا' ان کے پیچھے سے نکل آتا۔ کھڑکیوں سے جھانکتا' دیوان سے گزرتا' نشستوں کے اوپر سے پھلانگتا۔۔۔ اللہ اللہ۔۔۔ مدرسے میں جو اس نے سزائیں کاٹی تھیں' یہ سزا ان کی سردار سزا تھی۔

شاید ساری خواتین باغ میں دعوت میں موجود تھیں اور جو اکا دکا اندر تھیں' وہ ان سے ٹکرا رہا تھا۔ ورنہ اگر سب اندر موجود ہوتیں تو سارا قونیہ دیکھتا کہ مشیر خاص نے "مہمان خاص" کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

راستہ تھا کہ مل نہیں رہا تھا اور وہاں کوئی مرد خادم نظر نہیں آرہا تھا۔ یعنی کہ ابھی تک وہ اسی حصے میں تھا جہاں مردوں کا داخلہ منع تھا۔ زندگی میں اس پر اس سے زیادہ برا وقت نہیں آیا تھا۔ سب دروازے' کمرے' دیواریں' کھڑکیاں پہلے ہی ایک جیسی تھیں یا اسے پریشان کرنے کے لیے ہو گئی تھیں۔ وہ ایک دروازے میں گھستا تو دوبارہ گھوم کر وہیں آجاتا۔

پھر اسے ایک کھڑکی سے باغ نظر آیا۔ باغ خالی تھا۔ وہ کھڑکی کے راستے ہی باغ میں کود گیا۔ مبادا دروازے سے نکلے تو یہ باغ بھی ہاتھ سے جاتا رہے۔ واپس آئے تو کھڑکی ہی نہ ملے۔ باغ میں روشنی کم تھی۔ دور سے مغنیہ کی آواز آرہی تھی۔ یعنی وہ ٹھیک سمت جا رہا تھا۔ اس خوشی میں کہ وہ ٹھیک راستے پر ہے' وہ اتنی تیزی سے قدم بڑھانے لگا کہ کسی سے ٹکرا گیا۔ ایک تیز "سی" اس کے کانوں سے ٹکرائی' پھر ایک چیخ' پھر دو چیخیں۔ وہاں وہ کھڑی تھی صراحی والی۔ اس کے ساتھ ایک بڑی عمر کی خاتون کھڑی تھیں۔ اس نے جلدی سے چہرے پر کان سے پلو کھینچا۔ خاتون نے البتہ یہ زحمت نہیں کی۔

"کون ہو تم۔۔۔ ایسے یہاں کیسے گھوم رہے ہو۔۔۔؟" خاتون نے شائستہ انداز سے پوچھا۔

"میں وہاں سے۔۔۔" وہ اتنا حواس باختہ ہو گیا کہ ہاتھ اٹھا کر مغنیہ کی آواز کی سمت اشارہ کرنے لگا۔ دونوں نے گردنیں گھما کر اس طرف دیکھا۔

"وہاں سے۔۔۔ ہاں وہیں سے آئے ہو تم۔۔۔ مشرقی سمت کی اس دیوار کو پھلانگ کر۔۔۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

"دیوار... نہیں' میں تو وہاں باغ سے آیا ہوں۔"
خاتون نے آنکھیں چندھیائیں۔ "باغ اور وہاں... سبزے کے نام پر وہاں آج تک ایک پتا نہیں کھلا۔"
اس کی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا۔ تو یہ مغنیہ کی آواز پھر وہاں سے کیوں آرہی ہے۔ کیا وہ دیوار پھلانگ کر گا رہی ہے یا باغ ہی نے اپنی سمت بدل لی ہے۔
"میں جناب عبدالفتاح کی دعوت میں شریک ہوں۔"
"کیا جناب عبدالفتاح نے چوروں کو بھی شرکت کی دعوت دینا شروع کردی ہے۔"
"میں چور نہیں ہوں۔ ایک شریف اور معزز انسان ہوں۔"
"شریف اور معزز انسان دیواریں پھلانگ کر ادھر ادھر گھوم رہا ہے۔" خاتون محظوظ ہوئیں۔
"میں شریف ہی ہوں... یہ لڑکی... یہ مجھے جانتی ہے۔"
خاتون نے حیرت سے یشفین کو دیکھا۔ "تم اسے جانتی ہو یشفین؟ ان کا انداز کچھ ایسا تھا کہ یشفین تم اس چور کو جانتی ہو' واللہ۔"
"میں نہیں جانتی۔" باغ میں روشنی کم تھی' تو اس کی آنکھوں سے نکلتے شعلوں نے اس کمی کو پورا کردیا تھا۔
"میں آج ہی تو تمہیں بازار میں ملا تھا۔"
"واللہ... تم بازار میں ملتی ہو اس سے... تم ایسے لوگوں سے ملتی ہو لڑکی۔"
"اللہ اللہ! میں کب ملی ہوں۔" اس کی آنکھوں کے شعلوں کی لپٹیں بلند ہونے لگیں۔
"یعنی میں نے اس دن پانی مانگا... پھر آج بازار میں..." اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیسے اپنی پہچان کرا کر اپنے شریف ہونے کی ضمانت حاصل کرے۔
"مجھے شک تھا... تم چور ہو... چور ہی ہو..." خاتون کے عقب سے ذرا سا نمایاں ہوتے اس نے کہا۔
"محترم خاتون! میں ایک معزز مہمان ہوں۔ باغ سے اندر آیا تو بھٹک گیا' دوبارہ باغ کا راستہ نہیں ملا۔ میرا یقین کریں۔ ویسے بھی آپ مجھے سمجھ دار لگتی ہیں' تو پھر بہتر یہی ہے کہ آپ سمجھ داری سے کام لے لیں اور مجھے راستہ سمجھا کر جانے دیں۔"
اس کی چور چور کی رٹ سے وہ گھبرا گیا۔ جتنی وہ دانا تھی' وہ اسے چور ثابت کر سکتی تھی۔ بہتر تھا وہ خود کو معزز ثابت کروا کر چلا جائے۔
خاتون سر ہلاتی رہیں اور اسے دیکھتی رہیں۔ "شمال کی سمت چلتے جاؤ' پھر دائیں مڑ جاؤ' دیوار میں دروازہ ہے' وہاں سے دوسری طرف نکل جانا۔ سامنے ہی باغ نظر آجائے گا۔ اگر تمہاری شناخت کے لیے میں نے کسی کو بلایا تو ہم دونوں کے لیے بہتر نہیں ہوگا۔"
وہ شمال کی سمت مڑ گیا۔ کچھ دور چل کر رک گیا اور پیچھے دیکھا۔ یشفین جو اسے شاکی نظروں سے دیکھ رہی تھی اس نے جھٹ اپنا منہ واپس پھیر لیا۔
"تم یہاں رہتی ہو؟"
"نہیں۔ یہ یہاں نہیں رہتی۔" اس کے بجائے خاتون نے جواب دیا۔
"پھر یہ کہاں رہتی ہے؟" اس نے خاتون سے ہی پوچھ لیا۔ خاتون نے ہاتھ اٹھا کر دروازے کی سمت اشارہ کیا کہ اب تم جانا پسند کرو گے یا لے جائے جانا۔
اس نے جانا پسند کیا اور چھوٹا دروازہ کھول کر باغ کی سمت چلا گیا۔
"آپ نے اسے کیوں جانے دیا' وہ چور تھا۔"
"وہ چور نہیں تھا پیاری! وہ سچ بول رہا تھا۔ تم اسے نہیں جانتیں' لیکن شاید وہ تمہیں بہت زیادہ جانتا ہے۔ یہ تمہیں پہلی بار کہاں ملا تھا؟"
"باغ میں... میرے پھولوں کے پاس..."
"مجھے ہمیشہ سے معلوم تھا تمہارے وہ چہیتے پھول تمہیں کوئی اجنبی خوشبو دیں گے۔"
"ایسے نہ کہیں۔" وہ شرما سی گئی۔
"دیکھو تم شرما رہی ہو۔ تمہارے گال دہک رہے ہیں۔ اچھا یہ بتاؤ لیلیٰ کے لیے جو مہمان آئے ہیں وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیسے ہیں؟"

"نہیں گھر کی کوئی چیز پسند نہیں آتی۔"

"اور لیلیٰ...؟"

"آقا درّانی سفر سے واپس نہیں آئے' ان کے آنے تک کچھ نہیں ہوگا۔"

"تم نے بھی نہیں دیکھا مہمان کو؟"

"نہیں..."

"عزیزہ سے کہنا' میں جلد ہی گھر آؤں گی۔ تمہارا شکریہ پیاری! تم نے میرا ہاتھ تھام کر میرے ساتھ چہل قدمی کی۔ میری طبیعت کا بوجھل پن کچھ کم ہے اب۔ تمہاری باتوں نے بھی دل کو سکون دیا ہے۔ تمہارے لیے ڈھیروں دعائیں۔ یہ اجنبی اگر دوبارہ ملے تو اسے بتا دینا کہ تم کہاں رہتی ہو۔ یہ نہ ہو وہ شہر کے ایک ایک آدمی کو روک کر پوچھے کہ "یشفین" کہاں رہتی ہے؟"

یشفین زیر لب مسکرا دی۔

☼ ☼ ☼

مجیب درّانی سفر سے واپس آگئے تھے۔ ان سے ملاقات بھی ایسے ہی رہی جیسے بابا سے رہتی تھی۔ سرد مہر' تجارتی کڑی۔ آج تک اس کے بابا نے اپنے دسترخوان پر کسی ایسے شخص کو کھانے کی دعوت نہیں تھی جو ان کے لیے منافع بخش ثابت ہونے والا نہ ہو۔ ایک سال پہلے مجیب درّانی اور اس کے بابا تجارتی قافلے میں ہم سفر بنے تھے۔ اسے یقین تھا کہ وہیں اس کے بابا نے مجیب درّانی کے سونے کے دانت گن لیے ہوں گے اور یوسف کو انہیں پیش کرنے کا فیصلہ کرلیا ہوگا۔ مجیب درّانی نے بھی اسے ٹھونک بجا کر دیکھ لینے میں دلچسپی ظاہر کردی ہوگی۔

رات کے کھانے پر دعوت کے اہتمام کے ساتھ مجیب درّانی اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ نوالے منہ تک لے جاتے وہ اس کا جائزہ لیتے رہے تھے۔

"ایسا سیاہ فام حبشی جو تم جیسے جوان کو اٹھا کر پٹخ دے اس کی کم سے کم قیمت کیا ہوگی؟" بات کا آغاز ایسے کیا گیا کہ نوالہ اس کے منہ میں نمک بن گیا۔ اس کے چہرے کے عضلات سکڑ گئے۔ مجیب درانی نے اس کے چہرے کو بھانپ لیا۔

"اپنے باپ کی طرح منڈی جاکر کبھی کوئی غلام نہیں خریدا... اسے تو اپنے غلام گنتی میں یاد ہیں' تمہیں قیمت میں بھی نہیں یاد۔"

"میں انسانوں کی خرید و فروخت کا قائل نہیں ہوں۔" مجیب درانی نے اپنے تاثرات چھپا لیے اور خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔ پہلی ملاقات کی اس گفتگو کے بعد ان کے درمیان اس وقت تک بات نہیں ہوئی جب تک مجیب درانی کے ہاں ایک بڑی دعوت کا انتظام نہیں کرلیا گیا۔

جو پہلے عکرمہ کرتا رہا تھا' اب وہ مجیب درانی کررہے تھے۔ اسے ایک ایک سے عہدے — اور اختیارات کی فہرست سنا کر ملوایا جارہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مجیب درانی اور اس کے درمیان ہونے والی پہلی ملاقات ضرورت سے زیادہ تلخ ثابت ہوئی اور اس نے اس تلخی کو کم کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ وہ یہاں آگیا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ مجیب درانی نے اسے کسی غلام کی طرح خرید لیا ہے۔ اس کی برگزیدہ ماں' خاموشی جن کا شعار تھی اور اس کی تینوں بہنیں صبر جن پر فرض رہا تھا' انہوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ ایک بار بابا کے حکم پر عمل کرکے تو دیکھے۔ لڑکیاں اچھی ہی ہوتی ہیں۔ وہ لڑکی بھی اچھی ہوگی۔

"میں نے ہمیشہ وہ کیا جو آپ نے کہا' جو بابا نے چاہا۔ آپ کے اکیلے رہ جانے کا خیال نہ ہوتا تو میں کہیں بھی بھاگ جاتا۔ کوئی بھی کام کرلیتا۔ اپنے تجارتی قافلوں کے ساتھ بابا مجھے زبردستی اور حکمیہ گھسیٹتے رہے اور میں آپ کی خاطر اپنے دل پر پتھر رکھ کر ان کے کاروبار میں شریک رہا۔ سرحدوں کے محافظوں اور انتظامیہ کے ساتھ بابا کس طرح معاملات کو حتمی شکل دیتے رہے' یہ باتیں میرا سکون برباد کردینے کے لیے کافی

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہیں۔ مجھے قلم تراش کر انہیں فروخت کرنا منظور ہے لیکن بابا کے کاموں میں شریک ہونا نہیں۔ لیکن آپ یہی کہتی ہیں کہ مجھے بابا کو تکلیف نہیں دینی چاہیے ان کی حکم عدولی نہیں کرنی چاہیے۔"

"ہاں یوسف! حکم عدولی نہ کرو۔ وہاں کھلے دل سے جاؤ اچھے اسباب کے لیے دعا کرو۔"

"میری تینوں بہنوں کو آپ نے یہی باتیں سکھا کر رخصت کردیا۔ ایک کی مال دار بوڑھے تاجر سے شادی کردی گئی۔ دوسری کو بیچ کی چوتھی بیوی بنا دیا۔ تیسری کو دو باغوں اور کچھ اعلا نسل کے گھوڑوں کے عوض بیچ دیا۔ مجھ سے بھی یہی چاہتی ہیں۔"

"تمہاری دائمی خوشیوں کے لیے دعا گو ہوں میں یوسف۔ فکر نہ کیا کرو۔ وہاں خوش امیدی لے کر جاؤ۔"

مجیب درابی کے کرخت چہرے اور تکبر سے سکڑی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر اسے ماں کی خوش امیدی خوش فہمی لگی۔

"تمہیں قونیہ پسند نہیں آیا؟" اپنے جیسوں کے جلو میں مجیب درابی نے پوچھا۔

"قونیہ کو کون ناپسند کرسکتا ہے۔"

"ایک ایسا شخص جو تم جیسا خود سر اور بے وقوف ہو۔" پہلی ملاقات میں دسترخوان پر کی گئی اس کی زبان درازی کا بدلہ مجیب درابی نے یوں سر محفل لیا۔ سب ہنسنے لگے۔ حقے کی نے منہ میں دبائے مجیب درابی نے اپنی نوکیلی نظروں سے بڑے شوق سے اسے جتایا۔

"میں تمہارا باپ نہیں جو تمہاری زبان درازی نظر انداز کردوں گا۔"

اسے غصہ آیا لیکن وہ ضبط کرگیا۔ اس نے اپنے گھر میں بھی ایسی ہی باتیں سنی تھیں۔ وہ ماں اور تینوں بہنیں بابا کے سامنے ایسے ہی دوزانو بیٹھ جاتے تھے اور ان کی پھٹکار سنتے تھے۔

"اپنے بابا کو خط لکھ دو ورنہ کوئی آدمی چلا جائے گا تمہارا پیغام لے کر۔ شادی کی تیاریاں میں شروع کرو الا ہوں۔" اسے ایک طرف لے جاکر مجیب درابی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

اس کی انا پر ایک کاری ضرب پڑی۔ تو بابا نے اسے یہاں بھیجنے سے پہلے ہی بہت کچھ طے کرلیا تھا۔ اسے بوری میں بھری جنس کی طرح نمونے کے طور پر بھیج دیا تھا۔

"میں نے کبھی منڈی سے غلام نہیں خریدے' لیکن میں ایک معزز خاندان سے زوجہ کو پرکھنے کے لائق ہوں۔ آپ کی دختر سے میری شادی اس پرکھ کے بغیر ممکن نہیں ہوگی۔"

ماحول یک دم نفرین ہوگیا۔ مجیب درابی نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ اس نے قطعاً پروا نہیں کی۔ اس کے شانے پر رکھا ہاتھ نوکیلا پنجہ بن گیا جیسے اس کی گردن دبوچ لے گا۔

اگلے دن اس کی ملاقات کروانے کا انتظام کردیا گیا۔ اسے دختر درابی سے ملنے کی کوئی چاہت نہیں تھی' لیکن رات ماحول اور گفتگو اس انداز میں بدلے کہ وہ مجیب درابی کی انا پر جوابی ضرب لگائے بغیر رہ نہیں سکا۔ اب اس ملاقات سے بچ نکلنا ممکن نہیں تھا۔ یہ شادی اسے کسی صورت نہیں کرنی تھی' لیکن یہ ملاقات کرنی ہی تھی تاکہ مجیب درابی اور نظیر شعراوی کو یکساں انکار کرسکے۔

☆ ☆ ☆

وہ چاہ کر بھی گھر آئے مہمان کو دیکھ نہیں پائی تھی۔ دونوں نے مردانہ بھیس بدلنے کے بارے میں بھی سوچ لیا تھا' لیکن پھر وہ عکرمہ سے ڈر گئیں۔ وہ مہمان خانے میں ہی سوتا تھا۔ پھر بابا درابی آگئے۔ ماں نے کہا کہ مہمان اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔

"کیا بات ہے؟" وہ خوش ہونے سے پہلے گھبرا گئی۔

"یشفین تمہارے ساتھ ہوگی' تم ایسے گھبرا کیوں رہی ہو۔ تمہارے بابا نے اجازت دی ہے۔"

اس کے خیال سے تو یہ اجازت اس بے چارے کو بہت دیر سے ملی تھی' لیکن اب مل گئی تھی تو خوف سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کی جان نکل رہی تھی۔

"تمہیں اس سے بات کرنی ہوگی یشفین! ہم پردے کے اس طرف ہوں گے' اسے معلوم نہیں ہوگا۔" اس نے سب یشفین پر چھوڑ دیا۔

"لیکن شادی تمہاری ہے۔"

"شادی میں ہی کروں گی' لیکن بات تم کروگی۔ بابا صلاح کہتے ہیں' مجھے ہوش مندی کی ضرورت ہے۔ اگر اسے کم عقل لڑکیاں ناپسند ہوئیں تو؟"

"تمہیں اپنے بارے میں ایسے ظالمانہ انداز سے نہیں سوچنا چاہیے۔" یشفین کو برا لگا۔

"آج کے بعد نہیں سوچوں گی۔۔۔ بس آج۔۔۔ ایک بار۔۔۔ اس سے بات تم کروگی۔۔۔ وعدہ کروگی نا؟"

"اسے دیکھنے' اس سے بات کرنے کے لیے تم اتنی بے قرار تھیں اور اب۔۔۔"

"ہاں تھی۔۔۔ لیکن اب تو میری جان نکل رہی ہے' اگر میں پردے کے اس طرف مر گئی تو زیادہ واویلا نہ کرنا۔"

یشفین نے قہقہہ لگایا۔ "تو تمہارا مرنے کا ارادہ بھی ہے۔"

"کیا پتا میں اسے دیکھتے ہی مر جاؤں۔"

"میں مرجانا پسند کروں گا' لیکن دختر درابی سے شادی کرنا نہیں۔" مہمان خانے سے گھر کی طرف آتے اس نے سوچا۔

عزیزہ خاتون نے اس سے اس کا حال احوال پوچھا۔ کچھ دیر باتیں کیں اور پھر وہ کمرے سے چلی گئیں۔ وہ کمرے میں چوبی منقش پردے کے اس طرف بے زاری سے بیٹھ گیا۔ پھر اٹھ کر اس نے کھڑکیاں بند کردیں اور پردے کھینچ دیے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس طرف سے اسے کسی بھی سوراخ سے ادھر دیکھ لیا جائے۔ اسے دختر درابی کو متاثر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔

جب وہ دونوں کمرے میں آکر چوبی پردے کے اس طرف کھڑی ہوئیں تو انہیں کمرے میں روشنی بہت ناکافی لگی۔ جس طرف مہمان موجود تھا' اس طرف تو بہت ہی زیادہ اندھیرا تھا۔ چپکے سے چوبی پردے کے ننھے ننھے سوراخوں سے جب انہوں نے آنکھ لگائی تو انہیں خاطر خواہ صورت نظر نہیں آئی۔ وہ چوبی پردے کی طرف پشت کیے نشست پر بیٹھا تھا۔ لیلیٰ نے منہ بنا کر یشفین کو دیکھا اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ یہ تو دکھائی ہی نہیں دے رہا۔ یشفین نے بھی منہ بنالیا کہ یہ کیا بات ہوئی۔ اسے خادموں پر بھی غصہ آیا جنہوں نے کمرے میں مناسب روشنی کا انتظام نہیں رکھا تھا۔

یوسف کو محسوس ہو رہا تھا کہ کمرے میں کوئی آچکا ہے۔ اسے آنے والے کی چالاکی پر غصہ آیا کہ اپنی آمد کی آہٹ خفیہ رکھی تو رکھی آواز دبالی۔۔۔ مجیب درابی کے گھر والے بھی۔۔۔ سب ہی عیار ہیں بس۔۔۔

"میں آپ کے بابا مجیب درابی اور آپ کے بھائی عکرمہ سے مل چکا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان سے ملاقات میرے لیے خاصی مایوس کن رہی ہے۔ اس گھر میں قیام بھی میرے لیے کسی خوشی کا باعث نہیں بنا۔ آپ سے ملاقات سے بھی مجھے کوئی خاص امید نہیں ہے۔" یوسف نے سیدھے لفظوں میں بس انکار ہی کردیا۔

لیلیٰ کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ یشفین نے چونک کر آڑ کی طرف دیکھا۔۔۔ یہ آواز۔۔۔ وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔۔۔ لیلیٰ نے اس کی کلائی کو شدت سے ہلایا کہ کچھ تو بولو' بلکہ فوراً" بولو۔۔۔ یشفین اب لیلیٰ کو کچھ بھی بتا دینے کی حالت میں نہیں تھی۔ وہ اسے اشاروں سے سمجھانے لگی' لیکن لیلیٰ کچھ ایسی حواس باختہ تھی کہ بس رو دینے کو تھی۔ جس مہمان کو ایک نظر دیکھنے کے لیے وہ بالائی منزل کی کھڑکیوں اور محرابوں میں شہلتی رہتی تھی' وہ اس ملاقات سے ہی ناامید تھا۔ لیلیٰ کے چہرے کے رنگ اور پھیکے پڑ گئے تو یشفین نے جلدی سے کہا۔

"آپ نے اس گھر میں موجود ہر چیز کو ناپسند کیا۔ ہر ایک پر اپنا غصہ نکالا۔ پھر یہ گھر آپ کے اطمینان کا باعث کیسے بنتا۔ آپ کا دل تو شاید پہلے ہی سے ناامید تھا۔ پھر اسے یہاں آکر اطمینان کیسے ملتا؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

سوال کے پورا ہونے سے پہلے آواز کی ابتدا نے یوسف کو چونکا دیا۔ وہ اس آواز کو کیسے نہیں پہچانتا۔ وہ یک دم نشست سے اٹھا اور چوبی پردے کی طرف اپنا رخ کرلیا۔ ماں نے ٹھیک کہا تھا' لڑکیاں سب ہی اچھی ہوتی ہیں۔ مجیب درانی کی بھی۔۔۔ لیکن اسے افسوس بھی ہوا کہ وہ مجیب درانی کی بیٹی ہے اور یہ بھی کہ اس نے آتے ہی ایسی بات کہہ دی کہ شاید اس کا دل ہی ٹوٹ گیا ہوگا۔

"مجھے اعتراف ہے کہ میرا دل ہر طرح کی امید سے خالی تھا۔ مجھے اس سفر کی تمنا نہیں تھی۔ مجھے اس شہر سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ لیکن اب میں نے اپنا یقین حاصل کرلیا ہے۔ تمہاری یہاں موجودگی نے مجھے ہر طرح سے یقین دلا دیا ہے۔ اب میں یہاں سے خالی ہاتھ لوٹ جانا پسند نہیں کروں گا۔" یک دم لیلیٰ کے چہرے پر رنگ لوٹ آئے' لیکن یشفین کا چہرہ تاریک ہوگیا۔

"میں چند دنوں میں لوٹ جاؤں گا' لیکن جلد ہی واپس آؤں گا۔"

"سفر بخیر۔۔۔" یک دم لیلیٰ کے منہ سے نکلا اور یوسف کو احساس ہوا کہ اس نے کوئی دوسری آواز سنی ہے۔ اسے احساس ہوا کہ وہاں پیچھے دراصل دو لڑکیاں موجود ہیں۔ یشفین نے اپنا منہ سی لیا۔

"اللہ حافظ۔۔۔" پھر سے لیلیٰ نے کہا اور یشفین کا شانہ ہلایا کہ چلو اٹھو' چلیں' ورنہ میں تو مرنے والی ہوں اور تم واویلا شروع کردو گی۔

یوسف نے پردے کے دوسری طرف ہلچل محسوس کی۔ شاید وہ دوسری لڑکی یشفین کی سہیلی تھی۔ وہاں سہیلی کو ہی ہونا بھی چاہیے تھا۔ یوسف مسکرانے لگا۔ اب وہ اپنی سہیلی کو بتائے گی کہ یہی وہ لڑکا ہے جو اسے باغ میں ملا تھا' پھر بازار میں اور پھر سے اس رات اور اس نے سے چور بنا دیا تھا۔

وہ دونوں پیچھے ابھی بھی موجود تھیں۔۔۔ وہ جانتا تھا۔۔۔ اسی لیے اس نے پردے کے ساتھ لگ کر سر کو دوسری طرف نکال کر اسے ایک نظر دیکھنا چاہا۔ وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھ چکی تھیں۔۔۔ اس نے آہستہ سے پکارا۔

"یشفین۔۔۔" یشفین نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ لیلیٰ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی۔ وہ یشفین کو دیکھ رہی تھی کہ وہ اس کا نام کیسے جانتا ہے اور وہ یشفین کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ کس قدر حسین ہے۔" یوسف نے زیر لب کہا۔

"یہ کیسا ستم ہے۔" یشفین نے زیر دل سوچا۔

☆ ☆ ☆

لیلیٰ واپس آنے کے بہت دیر بعد تک خود کو آئینے میں دیکھتی رہی تھی۔ اسے اعتراض رہا تھا کہ اس نے صحیح رنگ کے لباس کا انتخاب نہیں کیا تھا اور وہ اسے یقین دلا رہی تھی کہ رنگ بھی ٹھیک تھا اور لباس بھی' وہ دنیا کی حسین لڑکی لگ رہی تھی۔ وہ اسے بتا چکی تھی کہ یہ وہی شخص ہے جو پہلی بار اسے باغ میں ملا تھا۔ لیلیٰ نے نئے سرے سے ساری باتیں سننی چاہیں اور اس بار یشفین کو کچھ باتیں حذف کرنی پڑیں۔

کمرے میں اس کے زیورات' لباس' خوشبوئیں بکھری ہوئی تھیں۔ جب وہ تیار ہو رہی تھی تو اس نے سارے صندوق کھول کر ان کا سامان باہر پھیلا لیا تھا۔ وہ سب ابھی بھی بکھرا ہوا تھا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے قیمتی زیورات اٹھائے اور انہیں یشفین کو دے دیا۔

"انکار نہ کرنا۔۔۔" یشفین نے خاموشی سے پکڑ کر ایک طرف رکھ دیے۔ جب وہ خوش ہوتی تھی تو اپنی قیمتی چیزیں دے دیا کرتی تھی۔ سب سے پہلے یشفین کو پھر گھر کی دوسری خادماؤں کو۔

"مجھے یہ ساری چیزیں ہیچ لگ رہی ہیں یشفین۔ کبھی مجھے یہ کیسی پیاری رہی ہیں۔ زندگی میں ان کا مطلب ہی کیا ہے۔ تم یہ سب اٹھا کر لے جاؤ اور اپنی مرضی سے خادماؤں میں تقسیم کردو۔" یشفین خاموشی سے لیلیٰ کو دیکھتی رہی۔

"تم ماں کو بتا دینا' وہ یوسف سے ہمارے رشتے کا عہد لیے بغیر اسے جانے نہ دیں۔" وہ اب بھی خاموش رہی۔ وہ دن اس کے دل پر بھاری رہا۔ وہ رات اس کے اعصاب پر سوار رہی۔

☼ ☼ ☼

چراغوں نے دھواں دینا چھوڑ دیا تھا۔ جو بستر اسے اتنے دنوں سے کاٹ رہا تھا' وہ رات ہی رات نرم گرم ہو گیا۔ کھانا اس نے کچھ اتنا تناول کر لیا کہ اس سے چلنا دوبھر ہو گیا۔ پہلی بار اس نے باغ کی آرائش پر غور کیا اور اسے خوب صورت پایا۔

ماں ٹھیک کہتی ہے' جو ہمیں چاہیے ہوتا ہے' وہ عین ہماری نظروں کے سامنے ہی ہوتا ہے۔ بس ہماری بینائی کام نہیں کرتی۔ جس لڑکی کو وہ سارے شہر میں ڈھونڈنے کا ارادہ رکھتا تھا' وہ اسی گھر میں موجود تھی' جس گھر میں وہ اتنے دنوں سے قیام پذیر تھا۔ یہ سچ تھا کہ اس نے اس گھر کی کسی بھی چیز کو پسند نہیں کیا تھا اور گاہے بگاہے اپنا غصہ بھی ظاہر کرتا رہا تھا۔ لیکن اب یہ سب ختم کرنا ہو گا۔ مجیب درابی اور عکرمہ اسے ابھی بھی ناپسند تھے' لیکن اب انہیں برداشت کرنا ہی ہو گا۔

"تو تم اس گھر کے سب سے پرانے ملازم ہو؟" باغ میں ٹہلتے اس نے ایک خادم سے پوچھا۔

برجیس نے سر ہلا کر تائید کی۔ اپنے مشاہدے اور سوجھ بوجھ کی بنا پر وہ یہ جان گیا تھا کہ وہ "مجیب درابی" کا ہم مزاج نہیں ہے۔ اس نے زیادہ کرید نہیں کی تھی' لیکن اسے اندازہ تھا کہ یوسف وہاں اپنی مرضی سے نہیں آیا تھا۔ دوسرے خادم' مہمان یوسف سے خائف رہتے تھے' لیکن اسے یوسف اچھا لگا تھا۔

"مجیب درابی جیسے آقا کے ساتھ تم نے اتنے سال کیسے گزار دیے۔" یوسف نے شرارت سے پوچھا۔

برجیس مسکرا دیا۔ "رزق کے حصول کے لیے مستقل مزاجی اور برداشت شرط ہے۔"

"بہت خوب! دانائی کی بات کی ہے تم نے۔"

"سختی کے ساتھ دانائی آ ہی جاتی ہے۔" یوسف اس کی بات سے خوش ہوا اور اسے شب بخیر کہہ کر سونے کے لیے چلا گیا۔

حوض کے شفاف پانی پر کچھ جگنو اڑتے رہے۔ رات کی تاریکی میں کچھ راز سرنگوں رہے۔

صبح اس کی آنکھ باغ میں ہونے والے شور شرابے سے کھلی۔ نیند ایسی گہری تو نہیں تھی' لیکن جیسی بھی تھی وہ کچھ دیر اور سونا چاہتا تھا۔ باغ میں' حوض کے پاس کچھ ہلچل تھی۔ اس نے بستر پر لیٹے لیٹے کھڑکی کی طرف سر اٹھا کر باہر دیکھنا چاہا۔

سبزے پر' حوض کے پاس دسترخوان لگایا جا رہا تھا۔ نیند اس کی آنکھوں میں تھی' اسے منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ فوارے کی بوچھاڑ کے پار اسے یشفین نظر آ رہی تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں مسلیں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ یشفین وہاں موجود ہوتی۔ جس لڑکی کے ساتھ اس کی شادی کی بات طے ہونے کو تھی' وہ یہاں موجود ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ یہ ناممکن تھا۔ روایت کے خلاف۔

وہ بستر سے اٹھا اور کھڑکی میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں وہی تھی۔ یشفین۔ وہ خادماؤں اور خادموں کو ہدایت دے رہی تھی۔ دسترخوان لگوا رہی تھی۔ کھانا رکھوا رہی تھی۔ وہ بری طرح سے چونکا اور اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکا۔ اسے کوئی بھی بات سمجھنے میں وقت لگا۔ یہ سب نظر کا دھوکا لگا۔ عکرمہ بھی وہاں آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے ایک چبھتی ہوئی نظر یشفین پر ڈالی' لیکن اسے کچھ کہا نہیں۔

"اپنے ہونے والے دولہا کے کمرے کے عین سامنے۔ وہ وہاں کیسے کھڑی رہ سکتی ہے۔ اسے اس کی اجازت کیسے مل سکتی ہے؟"

برجیس نے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور اندر آ گیا۔

"ناشتا تیار ہے۔ آپ کا انتظار کیا جا رہا ہے۔"

اس نے اچنبھے سے برجیس کو دیکھا اور پھر سے کھڑکی سے باہر۔ یشفین بدستور وہیں کھڑی تھی' جیسے اس کے انتظار میں تھی۔ اس کے کھڑے ہونے کا

انداز مؤدب تھا۔ جیسے دوسرے خادموں کا تھا۔ برجیس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور اس کی دانائی نے مہمان کی صورت پر سمٹ آنے والے تاثرات کی حقیقت کو بوجھ لیا۔

"وہ وہاں باغ میں۔۔۔" یوسف نے یشفین کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ یشفین ہے۔۔۔ صبح کا یہ کھانا آپ کے لیے اسی کی طرف سے ہے۔ دختر درابی اور آپ کی متوقع شادی کی خوشی میں۔"

اس نے کھڑکی سے جھٹکے سے گردن گھما کر برجیس کو دیکھا۔ ٹھیک اسی وقت یشفین نے اپنی جگہ سے ادھر کھڑکی کی طرف دیکھا اور اس نے یہ جان لیا کہ مہمان کی غلط فہمی دور کردی گئی ہے۔

"یشفین کون ہے؟"

"یشفین کے مرحوم والدین اسی گھر میں خادم تھے۔ لیلیٰ نے اسے بہن بنالیا تھا اور عزیزہ خاتون نے بیٹی۔۔۔" یوسف کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اگلا سوال کیا کرے۔ وہ ساری بات سمجھنے کی کوشش کررہا تھا۔

"عجیب درابی اور عکرمہ کے لیے وہ صرف ایک خادمہ ہی ہے۔" برجیس نے اس کی ساری الجھن دور کردی۔

یشفین نے ایک نظر پھر سے کھڑکی سے نظر آتے یوسف کے چہرے کو دیکھا اور یہ جان لیا کہ ـــــ برجیس اپنا کام کرچکا ہے۔ گھر کے سب خادموں میں سے وہ صرف برجیس پر ہی اعتبار کرسکتی تھی۔ رات کو وہ برجیس کے کمرے میں گئی تھی اور اس سے درخواست کی تھی کہ وہ کسی بھی طرح مہمان کو اس کی حیثیت کے بارے میں بتادے۔ جس طرح کل اس نے کمرے میں اس کا نام پکارا تھا' اسے جان لینے میں وقت نہیں لگا تھا کہ وہ کس غلط فہمی کا شکار ہوچکا ہے۔

یوسف شعراوی یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔۔۔ اس نے اپنا رخ پھیر لیا اور باغ کے سبزے پر چلتی' دروازے سے باہر آگئی۔ عزیزہ ماں اور لیلیٰ ناشتے پر اس کا انتظار کررہی تھیں۔ وہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"تم نے یوسف کے لیے دسترخوان لگانے کا تردد کیوں کیا۔۔۔ مجھے برا لگا۔۔۔ تم نے ہمیشہ اپنے اور لیلیٰ کے درمیان فرق رکھا۔"

"یہ ان دونوں کے متوقع رشتے کی خوشی میں تھا۔"

"تم نے مہمان کے سامنے خود کو خادمہ کی حیثیت سے ظاہر کیا؟"

"وہ ابھی سو رہے تھے۔ میں انتظام دیکھ کر واپس آگئی ہوں۔"

"تو آج ناشتا باغ میں ہوگا؟" لیلیٰ نے چہچہا کر پوچھا۔ یعنی وہ بالائی منزل پر جاکر اسے دیکھ آئے۔ یشفین نے سرہلایا۔ چند نوالے کھا کر لیلیٰ بہانے سے اٹھ کر چلی گئی۔

"لیلیٰ نے کہا ہے کہ آپ مہمان سے عہد لیے بغیر انہیں جانے نہ دیں۔ وہ کل سے بہت خوش ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں اس کا چہرہ کیسے کھلا ہوا ہے۔"

"لیکن تمہارا چہرہ کیوں کملایا ہوا ہے؟ کوئی پریشانی ہے؟"

"مجھے کوئی پریشانی کیسے ہوسکتی ہے۔۔۔ آپ اور لیلیٰ میرے ساتھ ہیں۔"

"تم لیلیٰ پر جان نچھاور کرتی ہو۔ لیکن میں اتنی زیادہ محبت کی قائل نہیں۔ مجھے ہمیشہ اس بات کا خوف رہتا ہے کہ تم میری محبت کو احسان سمجھتی ہو اور اسے کسی قرض کی طرح چکانا چاہتی ہو۔ میری بیٹی اگر ایسا ہے تو کبھی بھی ہماری محبتوں کا احسان چکانے کی کوشش نہ کرنا۔ تم خود کو دکھی کرلوگی۔ تمہاری پیاری ماں نے میری بیٹی کے لیے جان دے دی۔ کیا میں الزہرہ کی بیٹی کے لیے کچھ نہیں کرسکتی۔"

یشفین کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ چاہ کر بھی کوئی جواب نہ دے سکی۔ کچھ دیر بعد جب وہ لیلیٰ کے پاس اوپر گئی تو وہ مایوس صورت کھڑی تھی۔

"وہ تو باہر آیا ہی نہیں۔۔۔ وہ ابھی تک سو رہا ہے یا اسے بھوک ہی نہیں لگی۔" یشفین نے حیرت سے خالی باغ کو دیکھا۔ دسترخوان سمیٹا جارہا تھا اور مہمان؟ وہ کہاں ہے؟

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆ ☆ ☆

مہمان شہر سے باہر اس باغ میں ٹہل رہا تھا جہاں وہ پہلی بار شفین سے ملا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ ہر پہلو پر غور کر رہا تھا۔ فیصلہ وہ کر چکا تھا' لیکن اب اس فیصلے پر عمل درآمد کی فکر میں مبتلا تھا۔

شام کو وہ واپس آیا تو اسے پیغام دیا گیا کہ اسے مجیب درابی کے ساتھ ایک دعوت میں شرکت کرنی ہے۔ اس پیغام پر وہ بھنا گیا۔

"کیا ان لوگوں کو دعوتوں میں شرکت کرنے اور ان کا اہتمام کرنے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں۔"

صورت حال کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اپنے رویے میں لچک لائے۔ حالات کی نزاکت کا خیال رکھے۔ وہ دعوت میں آگیا' گو یہ سب اس کے اعصاب پر بہت بھاری رہا۔ مجیب درابی وہاں پہلے سے ہی موجود تھے۔

"یوسف شعراوی کے والد سے میری ملاقات تبریز میں ہوئی تھی۔ محصول سے کس طرح بچنا ہے' وہ میں نے ان کے والد سے سیکھا۔" اشارے سے اسے اپنے پاس بلا کر انہوں نے کہا۔ ان سب کے قہقہوں سے یوسف نے اپنے دماغ کی رگوں کو تنگ ہوتے پایا۔

"لیکن اب وقت آگیا ہے کہ تم بھی کچھ کر کے دکھاؤ۔" مجیب درابی نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

شہر کے معززین کی پروانہ کرتے ہوئے یوسف نے ناپسندیدگی سے مجیب درابی کو دیکھا۔

"میں اپنے والد کے ہر غیر قانونی عمل سے نالاں ہوں۔ اپنے والد کی ایسی تجارت سے کوئی مجھے سروکار نہیں۔" یک دم سکوت چھا گیا۔ مجیب درابی نے اس کی جرأت کو حیرت سے دیکھا۔ پھر بات آگے بڑھائی۔

"اب تم میرے داماد بن چکے ہو۔ تمہارے والد کی طرح میں ان معاملات میں نرمی نہیں برتوں گا۔ میں تمہیں سکھاؤں گا کہ جوان' جوشیلے' خود سر غلام کو کیسے سدھایا جاتا ہے۔ اس کے غرور و تکبر کو کس طرح کچلا جاتا ہے۔ اس کی طاقت میں تکیل ڈال کر کیسے لگامیں اپنے ہاتھ میں رکھی جاتی ہیں۔ کیسے اسے صرف "غلام" بنا کر خود کو اس کا "آقا" بنایا جاتا ہے۔"

مجیب درابی کی آواز نیام سے نکلی تلوار تھی۔۔۔ انداز للکار۔۔۔ ہدف اس کی غیرت کا سر قلم کر دینا تھا۔

وہ سمجھ گیا تھا۔ کس غلام کی بات کی جا رہی ہے اور کون آقا بننے والا ہے۔

"میں آپ کا داماد بن جاؤں' یہ کبھی ممکن نہیں ہو سکے گا۔ آقا و غلام کا یہ کھیل مجھے منظور نہیں۔ میں اپنا اسباب سمیٹ چکا ہوں۔ اس ملاقات کو خدا حافظ سمجھا جائے۔"

مجیب درابی اسے نظیر شعراوی سمجھا تھا جو اس کی تربیت کا آغاز ایسے سر محفل شروع کر دیا تھا۔ اس کی خود سری کا سر کچل دینے کی ترکیب' اس کا سر قلم کر دینے کی ترغیب بن گئی۔ مجیب درابی نے اس جوشیلے جوان کو ترحم سے دیکھا۔ ترحم سے اسے مجیب درابی کے ساتھ بیٹھے لوگوں نے بھی دیکھا۔

مجیب درابی کی ساری دولت' رتبہ' جاہ و جلال اپنے پیروں میں روند کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ان سب سے دور ہوتا گیا۔ عکرمہ اس کے پیچھے لپکا اور اسے طیش سے رک جانے پر مجبور کر دیا۔

"تمہیں اندازہ ہے تم نے کیا کیا ہے۔" عکرمہ نے اس کے بازو میں اپنا ہاتھ گاڑ دیا۔

یوسف نے تحمل سے اس کا ہاتھ اپنے بازو سے پرے کیا۔

"مجیب درابی تمہارے والد ہیں' میں ان کا غلام نہیں۔ میں جان چکا ہوں کہ وہ کیا ہیں۔ مجھے مجبور نہ کیا جائے کہ میں اور زیادہ سختی سے پیش آؤں۔"

"تم میرے باپ کے ساتھ سختی سے پیش آؤ گے۔" عکرمہ استہزائیہ ہنس دیا۔

"بہتر ہے کہ معاملات کو زیادہ نہ بگاڑا جائے۔ میں تمہاری ہمشیرہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

"تمہیں لگتا ہے کہ تمہارے پاس انکار کا اختیار ہے؟"

یوسف نے حیرت سے عکرمہ کو دیکھا۔ آخر یہ لوگ

اسے کیا سمجھ رہے ہیں۔ انہیں کیوں یہ لگتا ہے کہ وہ اپنے سارے اختیارات ان کا مہمان بنتے ہی ان کے ہاتھ میں دے چکا ہے۔ کیا اس کے رد عمل نے انہیں ضدی بنادیا ہے یا وہ پہلے سے ایسے تھے۔

"تم نے اس طرح بابا کو سر محفل انکار کردیا۔ تم نے انہیں خفا کردیا ہے۔ بہتر ہے کہ تم ان کے پاس واپس جاؤ اور اپنے الفاظ واپس لے لو۔ معافی مانگ لو۔" یوسف نے اس خودسر اور متکبر انسان کو غصے سے دیکھا۔ اس نے صاف صاف بات کرلینے کا فیصلہ کرلیا۔

"مجھ پر اپنا حکم ایسے نہ چلاؤ عکرمہ! جس خیال کے تحت میں تمہیں جھیل رہا تھا' میں اسے ترک کرتا ہوں۔ **یشفین** سے نکاح کی اجازت میں خاتون درابی سے بہ آسانی لے لوں گا۔"

"**یشفین**۔" عکرمہ نے زیر لب یہ نام دہرایا اور اسے ساری بات سمجھنے میں وقت نہ لگا۔ لباس میں چھپے خنجر کو یک دم نکال کر اس نے یوسف کے دل کی طرف وار کرنا چاہا' لیکن یوسف نے بروقت اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ایک خنجر میرے لباس میں بھی ہے عکرمہ۔" اس کا ہاتھ جھٹک کر وہ وہاں سے چلا گیا۔

حقہ پیتے اپنے باپ کے کانوں میں عکرمہ نے آکر سرگوشی کی اور مجیب درابی کی صورت تلوار کی دھار بن گئی۔

☆ ☆ ☆

ایک لمحے کی تاخیر کو بھی گناہ سمجھتے اور شہر کے راستوں پر اندھا دھند گھوڑا دوڑاتے وہ واپس آیا اور اپنا اسباب سمیٹنے لگا۔ سارا دن وہ معاملات کو خوش اسلوبی سے نپٹانے کے بارے میں سوچتا رہا' لیکن رات نے ان معاملات کو اس کے ہاتھ سے نکال دیا تھا۔ وہ مجیب درابی سے **یشفین** کے لیے بات کرنا چاہتا تھا' لیکن اب یہ کسی طرح ممکن نہیں ہوسکے گا' وہ جان گیا تھا۔ اس نے برجیس کے ہاتھ **یشفین** کو پیغام بھیجا۔

یشفین اپنے کمرے میں چپ چاپ خاموش بیٹھی تھی۔ اس کا دل اس اجنبی کی طرف مائل ہوچکا تھا' جو شہر میں گاہے بگاہے اس سے ملتا رہا تھا۔ وہ اجنبی لیلیٰ کے لیے آنے والا مہمان ہے' اس حقیقت نے اس پر بڑا قہر برسایا تھا۔ برجیس نے آکر یوسف کا پیغام دیا تو جیسے اس کا دل بند ہوگیا۔ بے یقینی سے وہ برجیس کو دیکھتی رہی۔

"مہمان نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں۔"

"وہ جارہا ہے۔ بہت جلدی میں ہے۔" برجیس ساری کہانی تو سمجھ ہی چکا تھا۔ اب وہ اسے مشورہ دے رہا تھا۔

"جارہا ہے۔" **یشفین** کو حیرت ہوئی۔ "ایسے کیسے۔ کیا شادی کے معاملات طے ہوچکے ہیں؟" وہ شش و پنج کا شکار ہوگئی۔

"دیر نہ کرو **یشفین**۔ وہ ایک شریف انسان ہے۔ کم سے کم اس گھر کے ہر مرد سے زیادہ۔"

ناچار برجیس کے پیچھے پیچھے چلتی وہ اس کے کمرے کی کھڑکی کے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔ برجیس کمرے کے اندر چلا گیا اور کچھ ہی دیر میں کھڑکی کے پاس وہ آکر کھڑا ہوگیا۔ وہ کھڑکی کی اوٹ میں اس طرف کھڑی ہوگئی اور وہ اس طرف۔ دونوں کی صورت ایک دوسرے سے اوجھل رہی۔

"میں جارہا ہوں۔ مجیب درابی سے میں نے معذرت کرلی ہے' میں ان کی بیٹی سے شادی نہیں کرسکتا۔"

ان الفاظ نے اسے بے حد تکلیف دی تھی۔ وہ مجیب درابی کے مزاج سے واقف تھی' انہوں نے یوسف کو بھی ناراض کردیا تھا' لیکن لیلیٰ؟ اس کا کیا قصور تھا؟

"آپ نے ایسا کیوں کیا۔ لیلیٰ معصوم دل لڑکی ہے۔ اس کے دل کو ایسے تکلیف نہ دیں۔"

یوسف نے خود کو کھڑکی میں اس طرح نمایاں کردیا کہ دونوں کا چہرہ آمنے سامنے آگیا۔ **یشفین** رو رہی

تھی۔ وہ کھلے آسمان سے جھانکتے چاند اور باغ کی محرابوں میں روشن مشعلوں کے پس منظر میں اس کی بے بسی پر دل گرفتہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔

"لیلیٰ معصوم دل' فرشتہ سیرت لڑکی ہوگی' لیکن میں نے جس کی صراحی کا پانی بہا دیا ہے' میں اس کی محبت میں بہہ جانے کا عہد کر چکا ہوں۔ محبت ہمیشہ لاعلمی میں ہوتی ہے اور معصومیت سے آشکار ہوتی ہے۔ میں تم سے اپنی محبت کے احساس کو پا چکا ہوں۔ میں اپنا عہد تمہیں دیتا ہوں۔"

وہ بے یقینی سے یوسف کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن اس کے لیے موت بن گئی۔ حوض کا پانی ہنسنے لگا' باغ کا سبزہ شعلہ ہوا' سب محرابیں گھوم گئیں اور اس نے خود کو ساری دنیا سے دور لے جانا چاہا۔۔۔ وہ یک دم تیزی سے بھاگی۔ یوسف جلدی سے کمرے سے باہر نکلا۔ وہ اسے آواز دینے لگا کہ وہ رک جائے' لیکن وہ محرابوں کے ستونوں سے ٹکراتے' باغ کے سبزے پر بھاگتے' سر پر آگرنے والے آسمان سے بچتے' خود کو یوسف کی پہنچ سے دور لے جاتے' باغ کے دروازے سے باہر نکل گئی اور اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئی۔ برجیس اس واقعہ کا اکیلا گواہ بنا وہاں کھڑا رہا۔ یوسف نے باغ کے دروازے سے لوٹ کر بہت دکھ سے برجیس کو دیکھا۔

"کیا وہ اس لیے بھاگ گئی کہ اسے اپنے آقاؤں سے وفاداری نبھانی ہے؟"

"ہاں۔۔۔ اور اس لیے بھی کہ اسے لیلیٰ کے دل کو ٹھیس نہیں پہنچنے دینی۔"

"اس گھر میں داخل ہونے سے بھی پہلے میں اس سے شادی کا ارادہ کر چکا تھا۔ فیصلہ تو بہت پہلے ہی ہو چکا تھا۔"

"یوسف! واپس لوٹ جاؤ۔" جو بات برجیس کہنا چاہتا تھا' اس نے آخر کہہ دی۔ "اب اس شہر میں تمہارا رہنا ٹھیک نہیں۔"

"تم نے سنا نہیں! ابھی ایک لڑکی کو میں نے اپنی محبت کا عہد دیا۔ اس عہد کو پورا کیے بغیر میں کیسے لوٹ جاؤں؟" اس نے برجیس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

☆ ☆ ☆

عکرمہ جانتا تھا کہ وہ ان کے گھر سے بھی جا چکا ہے' لیکن اس نے اپنے باپ کے اشارے کا احترام کیا کہ وہ یہاں سے کہیں نہ جائے۔ لوگوں کو اور باتیں بنانے کا موقع نہ دیا جائے۔

موقع انہیں مل چکا تھا۔ عکرمہ کے لیے اس تمسخر کو جھیلنا محال ہو گیا تھا' جو ان لوگوں کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا' جو یوسف کے انکار کے وقت وہاں موجود تھے۔ زیادہ وقت نہیں گزرا اور بات ایک کان سے دوسرے کان تک پہنچ چکی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ جتنے لوگ وہاں موجود ہیں' وہ اس کے باپ کو پسند نہیں کرتے۔ وہ یا ان سے دبتے ہیں یا ڈرتے ہیں۔ وہ اس کے باپ کی بے عزتی سے محظوظ ہوئے ہیں۔ انہیں یوسف کی خودسری پسند آئی۔ ہو سکتا ہے' کل کچھ لوگ یوسف کو ڈھونڈ کر اسے شاباش دیں اور کچھ لوگ یوسف کو مجیب درانی کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہونے کے لیے اپنا سہارا پیش کریں۔

جب تک دعوت برخاست نہیں ہوئی' وہ دونوں وہاں موجود رہے۔ مجیب درانی نے لوگوں کی نظروں میں نظریں گاڑ دیں اور اپنی دہشت سے کسی کو یہ موقع نہیں دیا کہ کوئی اس سے سوال کر سکے۔ واپسی پر وہ تیزی سے اپنے گھوڑوں کی طرف آئے۔

"اسے شہر سے جانے نہ دینا۔" گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے مجیب درانی نے عکرمہ سے کہا۔ عکرمہ نے سر ہلا دیا۔ گھوڑے کی گردن میں اپنی انگلیاں گاڑ کر' لگام کو جھٹکا دے کر ایڑ لگانے سے پہلے یہ بھی کہا۔

"التموش کو پیغام بھیجو۔ ایک "باندی" ہے' آ کر خرید لے۔"

☆ ☆ ☆

جس وقت وہ شہر کی سرائے کے بستر پر دراز ہوا اس نے اپنی ماں کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ ماں کہا کرتی ہے کہ

دل سے یاد کرو تو بات اس دل تک پہنچ جاتی ہے، جس تک پہنچانی ہو۔ اس نے ماں کے دل کو پہلا پیغام بھیجا "کہ اسے ایک ایسی لڑکی سے محبت ہو چکی ہے، جس کے آقا کو اس سے نفرت ہو چکی ہے۔"

"مجیب درانی کی آنکھیں نفرت و غصے سے سکڑ گئی تھیں۔ افسوس کہ میری جلد بازی نے انہیں محفل میں شرمندہ کیا۔ مجھے خوف ہے کہ یشفین کا ہاتھ وہ کسی ادنیٰ خادم کے ہاتھ میں تو دے دیں گے، لیکن میرے ہاتھ میں ہرگز نہیں۔ برجیس کا کہنا ہے کہ یشفین ہر صورت مجیب درانی کا حکم ہی مانے گی۔ مجیب درانی جیسے انسان سے اپنی وفاداری نبھانا چاہتی ہے۔ میں خاتون درانی سے بات کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ وہ آپ کی طرح درویش صفت لگتی ہیں۔ ان سے ملاقات کے دوران مجھے اندازہ ہوا کہ وہ مجیب درانی کی شخصیت کے بالکل الٹ ہیں، جیسے آپ اور بابا۔ اب مجھے یہیں رہ کر معاملات کو نپٹانے کی کوشش کرنی ہے۔ آپ میرے لیے دعا کریں۔"

ماں سے باتیں کرنے کے بعد وہ سو گیا۔ رات میں کئی بار اس کی آنکھ کھلی اور اسے چراغ کی ٹمٹماتی لو میں یشفین کی آنکھوں کا خوف شکلیں اختیار کرتا دکھائی دیا۔ دیوار پر پڑنے والی روشنی، باغ میں بھاگتی یشفین کی یاد دلاتی رہی۔ چراغ کی لو نے یوسف کے ہاتھ کا لکھا ہوا پیغام جلا دیا۔ گھر میں دو افراد کے علاوہ کسی کو خبر نہیں ہوئی تھی کہ مہمان جا چکا ہے۔

"یہاں سے جا رہا ہوں، لیکن شہر میں اس وقت تک موجود رہوں گا جب تک خاتون درانی سے ہمارے لیے بات نہیں کر لیتا۔"

"ہمارے لیے؟"

خط جل چکا تھا، لیکن اس کے حروف جلنے سے قاصر رہے تھے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ لیلیٰ کی طرح ہی اس گھر میں پرورش پانے کے باوجود وہ روزِ اول سے یہ جانتی تھی کہ ایک دن آئے گا اور آقا درانی کے اشارے پر اس کی کسی بھی غلام سے شادی کر دی جائے گی۔ اگر ماں عزیزہ کی درخواست مان بھی لی گئی تو اسے ایک اچھا گھر نصیب ہو جائے گا اور بس۔۔۔ لیلیٰ کی طرح اس نے کبھی کسی شہزادے کے خواب نہیں دیکھے تھے۔ اس نے زندگی کو ہمیشہ حقیقت کی نظر سے دیکھا تھا۔ بیش قیمت لباس پہنتے ہوئے بھی، لیلیٰ کے تحائف کو کان، ہاتھ، سر پر سجاتے ہوئے بھی۔۔۔ آئینے میں جب وہ اپنی خوب صورتی کو دیکھتی تھی، تب بھی اسے یاد رہتا تھا کہ وہ ایک "خوب صورت کنیز" ہے اور بس۔ یہ خوب صورت کنیز "آقا درانی کے مہمان" کو، لیلیٰ کے لیے آنے والے یوسف کو کیسے کوئی امید دے دیتی۔

صبح کی پہلی کرن کے ساتھ وہ برجیس کے کمرے کا دروازہ بجا رہی تھی۔

"کیا ہوا۔۔۔ خیریت ہے۔۔۔" وہ آنکھیں ملتا ہوا باہر آیا۔ وہ شرمندہ ہوئی کہ اس نے اسے نیند سے جگا دیا۔

"میں یوسف سے ملنا چاہتی ہوں، وہ کہاں ہے؟"

"شہر کی سرائے میں۔۔۔"

"میں سرائے تو نہیں جا سکتی۔"

"میں اسے شہر سے باہر باغ تک لے آؤں گا۔" یشفین نے کچھ دیر سوچا اور ہاں میں سر ہلا دیا۔ "ٹھیک ہے۔"

☼ ☼ ☼

مہمان خانے کے خادمین سے ہوتی ہوئی بات ماں عزیزہ کے کانوں تک آئی کہ مہمان کل رات واپس نہیں آیا۔ ماں عزیزہ نے عکرمہ کو بلا کر پوچھا۔

"یوسف کہاں ہے؟"

"اپنے ایک دوست کے گھر۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"لیکن وہ تو یہاں اجنبی تھا۔"

"کتنے دنوں سے وہ اس شہر میں رہ رہا ہے۔ دوست بن چکے ہیں اس کے۔ آپ فکر نہ کریں۔ یشفین کہاں ہے؟"

"وہ باغ تک گئی ہے۔"

"اچھا۔" عکرمہ نے اپنی اکڑی ہوئی انگلیاں کو چٹخایا

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور باغ کی سمت جانے کے لیے گھر سے نکلا۔
یوسف سرائے میں ہے' وہ یہ جانتا تھا۔ اسے شہر سے نکلنے کی جلدی نہیں ہے یہ بھی۔ التموش کو پیغام بھجوایا گیا تھا۔ عکرمہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس دو کوڑی کی کنیز کی گردن سربازار کاٹ کر نیزے پر ٹانگ دے اور اعلان کرے۔ "دیکھو' نمک حراموں کا انجام۔"
جب وہ باغ میں پہنچی تو اسے دور یوسف کا گھوڑا گھاس چرتا ہوا دکھائی دیا۔ یوسف اس کے قریب ایک درخت کے ساتھ پشت لگا کر بیٹھا تھا۔
"اس لاپروا' بے فکرے انسان نے ہماری زندگیوں کو بے چینی سے بھر دیا ہے۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا۔
وہ کچھ اتنے غصے میں تھی کہ صراحی میں ایک خنجر چھپا کر لانا چاہتی تھی' تاکہ موقع ملتے ہی اس کے پیٹ میں گھونپ دے۔ ہاتھ میں پکڑی صراحی کو اس نے زمین پر پٹخا تو اس نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔
"تم آگئیں یشفین۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
"میں تمہیں اپنا نام لینے کی اجازت نہیں دیتی۔ تمہارے پاس اس کا حق ہے' نہ ہو گا۔"
"تمہیں کس بات نے مجھ سے اتنا بدظن کر دیا ہے؟" یوسف نے سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔
"میرے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا دکھ ہو گا کہ میری بہن کے لیے مہمان بن کر آنے والا انسان' اس سے یوں بے زاری کا عندیہ دے رہا ہے۔ جو اس جیسے ہیرے کو ٹھکرا سکتا ہے' مجھے اس پتھر میں کوئی دلچسپی نہیں۔ تم نے میری بہن کی انا کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ میں ایسے شخص کو ایک ہی صورت معاف کر سکتی ہوں کہ وہ اپنے الفاظ واپس لے لے۔ ماں عزیزہ اور مجیب درابی کے ہاتھ کو چوم کر آنکھوں سے لگا لے۔"
یوسف طنز سے ہنس دیا۔ "تمہیں کس چیز نے مجیب درابی کی اس درجہ وفادار غلام بنا دیا ہے؟"
یشفین نے ٹھٹک کر یوسف کو دیکھا۔ "میں ان کی کنیز نہیں ہوں۔ لیلیٰ میری بہن ہے۔"
"اگر تم ان کی کنیز نہ ہوتیں تو لیلیٰ کی بجائے تمہارا نام لینے پر عکرمہ میرے خون کا پیاسا نہ ہو جاتا۔"
معاملات کے اس درجہ بگڑ جانے کی یشفین کو توقع نہیں تھی۔ یوسف کی بات نے اسے حد درجہ پریشان کر دیا۔
"میں یہ کہنے آئی ہوں کہ یوسف جیسے سو بھی آکر میرے سامنے کھڑے ہو جائیں تو وہ لیلیٰ جیسی کسی ایک کی جگہ نہیں لے سکیں گے۔ میں اپنی گردن کاٹ لوں گی' لیکن اس کے دل کو یہ تکلیف نہیں پہنچنے دوں گی۔" اس نے یوسف کے دل میں موجود امید کی ذرا سی رمق کو بھی مٹا ڈالنا چاہا۔
یوسف اس کے منہ سے ایسی ہی کوئی بات سننے کی توقع کر رہا تھا۔ وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ یشفین نے اسے کڑی نظروں سے دیکھا۔
"لیلیٰ کو عہد دے کر لوٹ جاؤ۔ مجھ سے کسی عہد کی امید نہ رکھنا۔"
"میں اس وقت تک اس شہر سے نہیں جاؤں گا جب تک تمہیں یقین نہ آجائے کہ تمہارا میرے راستے میں آجانا اللہ کی مرضی سے ہوا تھا۔ اپنی وفاداری کو اللہ کی مرضی پر غالب نہ کرو۔ جو آسمانوں پر طے ہو چکا ہے' اسے زمین پر بدلنے کی کوشش کرنا چھوڑ دو۔" اس نے اس مسافر اجنبی مہمان۔۔۔ یوسف کو دیکھا اور ایک لمحے کے لیے اس کی سانس تھم گئی۔
"اگر تمہیں اپنا نمک حلال کرنا ہے تو مجھے اپنا عہد وفا کرنا ہے۔" بچ کر پھینکی گئی صراحی اٹھا کر یوسف نے اس کے ہاتھوں میں دی اور اس کی آنکھوں کی بجھی لو کو اپنی روشن آنکھوں سے منور کرنا چاہا' لیکن ناکام رہا۔

☆ ☆ ☆

"تم اس لڑکی کی حیثیت جانتے ہو؟" عکرمہ سرائے میں اس کے سامنے تن کر کھڑا پوچھ رہا تھا۔ وہ دونوں کو باغ میں ملتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ

دونوں اب یہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچ رہے ہوں گے۔

"وہ تمہارے گھر کی خادمہ ہے... جانتا ہوں۔" یوسف نے اطمینان سے کہا۔

"بابا نے ٹھیک کہا تھا' تمہاری حیثیت منڈی میں کھڑے ایک کبڑے غلام سے زیادہ نہیں' جس کی قیمت سکے نہیں روٹی کے بچے کھچے ٹکڑے ہوتے ہیں۔" اس کے اطمینان پر وہ بل کھا کر رہ گیا۔

"وہ ٹکڑے میں تمہارے محل میں چھوڑ آیا ہوں... ان کے لیے کوئی اور کبڑا غلام دیکھ لینا۔"

"اپنے باپ سے پوچھ لو' جو ابھی بھی ان ٹکڑوں کو اٹھا کر کھانے پر بضد ہوگا۔"

"تم یہاں سے رخصت ہونے کا کیا لوگے؟ ایک سونے کا سکہ؟ دو یا دس؟"

"کسی نے ٹھیک کہا ہے' نیا شہر' نئے لوگ' ہر کسی کے لیے موافق نہیں ہوتے۔"

"میں ایسے اوہام پر یقین نہیں رکھتا۔"

"جلد ہی رکھنے لگو گے۔" وہ جانتا تھا کہ عکرمہ اسے دھمکی دے کر گیا ہے۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ایک ایسے شہر میں رہنا جس کے آدھے سے زیادہ معززین مجیب دربانی کی مٹھی میں تھے' کتنا خطرناک تھا تو کیا وہ ڈر کر بھاگ جاتا یا وہ ڈر کر لیلیٰ سے شادی کے لیے ہاں کہہ دیتا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ وہ ایک غلام کی حیثیت سے اپنے دام کھرے کر لیتا یا کبڑے غلام کی طرح روٹی کے ٹکڑے چن چن کر کھاتا۔

"جو آسمان پر طے ہو چکا ہے اسے زمین پر کوئی بھی نہیں بدل سکتا۔" رات کو سونے سے پہلے اس نے اللہ کی مرضی پر سوچا اور اطمینان سے سو گیا۔

اگلے دن صبح جب وہ پرجیس سے ملاقات کے لیے شہر کی مسجد کے قریب سے گزرتے شہر سے باہر ویرانے کی طرف جا رہا تھا اس کے گھوڑے کو شاہی سپاہیوں نے گھیرے میں لے لیا اور اسے گھوڑے سے اترنے کا حکم دیا۔ اس صبح کے بعد اسے کسی نے شہر میں نہیں دیکھا۔ کچھ عرصے بعد لوگ بھول بھی گئے کہ اس شہر میں کبھی کوئی مسافر گھوڑے کی لگام پکڑے آیا تھا اور وہ مجیب دربانی کے گھر کا راستہ معلوم کر رہا تھا۔

اس دن سے ایک رات قبل پرجیس نے گھبراہٹ اور خوف کے زیر اثر یشفین کے کمرے کی کھڑکی جو باغ کی طرف کھلتی تھی کو بجایا۔ جب وہ چراغ ہاتھ میں لیے کھڑکی کھول کر کھڑی ہوئی تو پرجیس نے چراغ کو پھونک مار کر بجھا دیا۔

"مہمان خانے کی طرف سے التموش تمہیں اٹھانے آرہا ہے۔ عکرمہ اس کے ساتھ ہے۔"

☆ ☆ ☆

نظیر شعراوی اپنی خون کی خاصیت پر متکبر رہے تھے' لیکن یوسف جیسے نالائق نے ان کا غرور خاک میں ملا دیا تھا۔ اسے قونیہ سفیر بھیجا تھا۔ نہ وہ خود آیا تھا نہ کوئی خط یا پیغام بھیجا تھا۔ توقع تو یہ ہی تھی کہ مجیب جیسے مال دار کی بیٹی سے شادی کے بعد وہ سونے کے سکوں سے لبالب بوریاں اپنے باپ کے پاس روانہ کرے گا۔ لیکن یوسف آج تک کسی توقع پر پورا اترا تھا جو اب اترتا۔ قونیہ میں شادی کر کے وہ اپنا گھر آباد کر چکا ہوگا۔ اس کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر ثواب پہنچانے کے علاوہ اسے کوئی اور فائدہ دینے کی ترکیب نہیں سوجھی ہوگی۔ ناخلف اولاد کی بوٹی بوٹی اس کے احسانوں کے خون سے بنی تھی' لیکن اولاد تھی کہ خون کا ایک قطرہ بھی لوٹا دینے پر راضی نہ تھی۔

یوسف کی ماں نے واویلا مچا رکھا تھا۔ دو سال تین مہینے گزر چکے تھے۔ اس نے اپنی کوئی خیر خبر نہیں دی تھی۔ وہ قونیہ آنے جانے والے نہ جانے کتنے لوگوں سے درخواست کر چکی تھی کہ وہاں یوسف کو تلاش کر کے اس سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنی ماں کو اپنی خیریت کا پیغام بھجوا دے۔ لوگ خالی خولی تو ایسے کام نہیں کرتے' سونے کے سکوں کو استعمال میں لانا پڑتا ہے۔ یوسف کی کم عقل ماں ان کا خزانہ ہی خالی نہ کر دے' عاجز آ کر تجارتی قافلے کے ساتھ سفر کرتے نظیر شعراوی نے قونیہ کا رخ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

مجیب درابی نے ان کا خوش دلی سے استقبال کیا' لیکن یوسف سے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا گیا۔

"مجھے آپ کے بیٹے کا انتظار رہا' لیکن وہ نہیں آیا تو میں یہ ہی سمجھا کہ آپ نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ آپ ان معاملات کو آگے نہیں بڑھانا چاہتے۔"

نظیر شعراوی کو تو پہلے ہی یوسف کی نیت پر شک تھا۔ جس طرح منہ بنائے وہ سفر کی تیاری کر رہا تھا اور جس خودسری سے وہ اپنے باپ کو دیکھتا رہا تھا' یہ سب حرکتیں اس کے ارادہ کا کھوٹ ظاہر کرنے کے لیے کافی تھیں۔ اس نے راستے میں ہی اپنی منزل بدل لی تھی' یا شاید وہ گھر سے ہی اپنی منزل کا تعین کر کے نکلا تھا کہ اسے قونیہ نہیں آنا... اور وہ قونیہ نہیں آیا تھا۔

"ہو سکتا ہے وہ یہاں آیا ہو' لیکن اگر ہمارے گھر آیا ہوتا تو میں اب تک دونوں کی شادی کر چکا ہوتا' جیسا کہ ہمارے درمیان طے پایا تھا۔ آپ کے بیٹے کے انتظار سے مایوس ہو کر میں نے اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ اللہ کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے۔ میری بیٹی اپنے گھر میں بہت خوش ہے۔ لیکن مجھے یہ افسوس رہا کہ ہم دو دوست رشتے دار نہیں بن سکے۔"

نظیر شعراوی کو درابی کی بیٹی یا اس کی کسی خوشی سے اب کیا سروکار تھا۔ انہیں اپنے کھوٹے سکے پر غصہ تھا۔ نظیر شعراوی کی رگیں طیش سے تن گئیں۔ تو وہ یہاں آیا ہی نہیں۔ وہ بھاگ گیا۔ پہاڑوں کی طرف یا دریا کے کنارے کسی معمولی سی لڑکی سے شادی کر کے گھر آباد کیے ہوئے۔ کسی حجام یا قصاب کی دکان پر معمولی کام کرتے ہوئے یا کسی مدرسے میں معلم بنے۔ ورنہ یقیناً" خانہ بدوشوں کے پاس پناہ لیے اور ان کی نسل کو پروان چڑھاتے ہوئے۔

نظیر شعراوی نے درابی کے گھر کے قیام کو مختصر کیا اور واپس اپنے شہر لوٹ گئے۔ بیٹے کی بغاوت نے ان کے اندر اتنی نفرت پیدا کر دی تھی کہ انہوں نے اس کی قبر تک تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ورنہ وہ اگر گھر سے باہر نکل کر شہر کی سرائے تک ہی چلے جاتے اور ان سے دو چار پہلے یہاں آنے والے صحت مند' دراز قد' چوڑے شانوں' گھنی بھنوؤں' روشن آنکھوں والے نوجوان کے بارے میں پوچھتے تو وہ اپنی یادداشت کو کھنگالتے کچھ کچھ نہ بتا دیتے۔

★★★

سرائے میں اس کے اسباب کی تلاشی لی گئی اور سلطان کے مشیر خاص عبدالفتاح کے گھر کے نوادرات اور کچھ خفیہ حساس دستاویزات اس کے سامان سے برآمد ہوئیں۔

مجیب درابی نے ہر اس انسان کو خرید لیا تھا جسے خریدا جا سکتا تھا۔ درابی کے دوست و دشمن جان گئے تھے کہ وہ یہ کیوں کر رہا ہے۔ اس طرح وہ اس سے اور خوف زدہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور منہ سی لیے اور وہ یہ بھول گئے کہ اصفہان سے آنے والا نوجوان یوسف شعراوی کوئی ایک' بھی جرم کیے بغیر ڈھیر سارے الزامات کے ساتھ قید خانے میں پتھر کوٹ رہا ہے۔

"وہ ان دستاویزات کو کس کے حوالے کرنے والا تھا' وہ کس کا مخبر تھا۔ اس کے ساتھی کون لوگ ہیں؟"

کتنے ہی مہینے اس پر تشدد ہوتا رہا' اسے الٹا لٹکایا جاتا رہا۔ انہیں اس سے اس سوال کا جواب چاہیے تھا جو انہیں بھی معلوم تھا کہ وہ نہیں جانتا۔ وہ لاغر ہو گیا۔ مسلسل تشدد نے اس کی صحت مندی کو زائل کر دیا۔ وہ ایک بہادر اور باہمت انسان نہ ہوتا تو اتنی سختی پر درابی کے قدموں میں گر کر معافی مانگ لیتا۔ اسے درابی پر غصہ آتا۔ اسے اپنی بے بسی پر غصہ آتا۔ اس نے انتظامیہ کو سچ بتانے کی پوری کوشش کی۔ وہ چیختا اور چلاتا رہا۔ لیکن پھر وہ خاموش ہو گیا... سمندر کی موجیں' چشمے کے بہاؤ میں بدل گئیں۔

قسمت کے دکھ' آزمائش کا ایک چکر ہوتا ہے' ایک گول چکر۔ جب شروع ہوتا ہے تو پھر پورا ہو کر ہی ختم ہوتا ہے۔ مدت اور مقدار مقرر کرنا انسان کے بس میں نہیں۔ اس نے اپنے اعصاب کو پُرسکون رکھنا سیکھ لیا تھا۔ غصہ کرنا' اپنے ماضی کے بارے میں سوچنا اس نے ترک کر دیا۔ یہ حقیقت اس پر واضح تھی کہ یہ سب مجیب درابی نے اس کے ساتھ کرایا ہے اور یہ حقیقت

بھی کہ اللہ کے علاوہ کوئی اس کی مدد نہیں کر سکے گا۔

سورج جیسے سوا نیزے پر تھا اور وہ سب پتھر کوٹ رہے تھے۔ عکرمہ اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ یہ اس کی قید کے ابتدائی مہینوں کی بات ہے۔

"تمہیں اپنی زندگی کے وہ دن یاد تو آتے ہوں گے جب تمہارے ہاتھ میں تمہارے گھوڑے کی لگامیں ہوا کرتی تھیں اور تم اسے شہر میں دوڑائے پھرتے تھے۔ افسوس اب تمہاری زندگی کی لگامیں کسی اور کے ہاتھ میں ہیں۔" اس نے سر اٹھا کر عکرمہ کو دیکھنے کی زحمت نہیں کی اور خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"تمہاری کھال مردہ چوہے جیسی ہو گئی' کیا تمہیں یہاں کھانے کو کچھ نہیں ملتا؟" اس نے اب بھی اسے نظر انداز کر دیا۔

"جس لڑکی کے لیے تم یہ مصیبت جھیل رہے ہو جانتے ہو وہ کہاں ہے؟ مصر کے قحبہ خانے میں۔۔۔" اب وہ نظر انداز نہیں کر سکا۔ پتھر کوٹتے یوسف کے ہاتھوں کا دم نکل گیا۔ اس کا ہتھوڑا ضرب لگانے کے لیے بلند ہوا تو ڈھے کر نیچے آگرا۔

"سارا شہر جانتا ہے' بابا نے اپنی بے عزتی کا بدلہ کس اہتمام سے لیا۔"

"ساری دنیا یہ جان لے گی کہ خدا نے ظلم کا حساب کیسے لیا۔" ہتھوڑا اس نے ایک بار پھر بلند کر لیا اور بلند ہی آواز میں کہا۔

اس دن کی رات اس پر بھاری رہی۔ جو کچھ مجیب درابی اور عکرمہ نے اس کے ساتھ کیا تھا' ان سے بعید نہ تھا کہ انہوں نے یشفین کے ساتھ یہ نہیں کیا ہو گا۔ وہ جان گیا تھا کہ ان کے دل رحم سے خالی ہیں۔ انہوں نے اس لڑکی کی ساری معصومیت اور وفاداری کے باوجود اسے تکلیف پہنچانے کی قسم کھائی ہو گی۔ اس نے اپنے جسم کو بے روح پایا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید پرجیس اس سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا' لیکن درابی کے وفاداروں کے ہوتے ہوئے وہ قید خانے کا پھاٹک بھی پار نہیں کر سکا تھا۔

"تمہارا باپ آیا تھا تم سے ملنے۔ مجھے اس کی بے حسی پر ہنسی آئی۔" عکرمہ پھر اس کی حالت سے محظوظ ہونے آیا تھا۔

"یہ بتانے پر کہ تم یہاں کبھی آئے ہی نہیں' وہ الٹا تمہیں گالیاں دینے لگا کہ تم اس کی دولت لے کر کہیں بھاگ گئے ہو۔"

یوسف جانتا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ بابا نے ایسا ہی کیا ہو گا۔ جو تھوڑا بہت مال اسباب انہوں نے اسے دے کر بھیجا تھا' انہیں یقین ہو گا کہ اسے بیچ کر وہ کہیں اور مزے کر رہا ہو گا۔ ساری زندگی بابا نے اسے کبھی یقین کی آنکھ سے نہیں دیکھا تھا۔ اب کیسے دیکھتے۔ انہیں تو بس اپنا نفع مقصود تھا' وہ چاہے کتنا بھی نقصان میں رہتا۔ آتے ہوئے بابا نے یہ تک کہنے میں عار محسوس نہیں کیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح مجیب درابی کی بیٹی سے تعلق بنانے کی کوشش کرے۔ اگر درابی کسی بھی طرح شادی سے ٹال مٹول کرے تو اس کے ہاتھ میں اس کی بیٹی فاضل ہونا چاہیے' جسے وہ بروقت شمع دان پر رکھ کر درابی کو جلا سکے۔

ان کے گھر میں خادموں کی فوج تھی' لیکن کوئی ایک بھی خادم ایسا نہیں تھا جو رات کو "نظیر شعراوی" کو دغا دے کر سوتا ہو۔ ان کا گھر شہر کے بڑے اور خوب صورت گھروں میں سے ایک تھا۔ پھر بھی گھر کا کوئی ایسا کونا نہ تھا جہاں اسے سکون ملتا ہو' سوائے ماں کی گود کے۔ گھر میں ہونے والی دعوتیں تک لین دین کے معاملات سے مبرا نہیں ہوتی تھیں۔ ان کے رشتے داری اور مراسم سب تجارتی تھے۔ بیٹا کیسے اس سے الگ رہتا۔۔۔ بیٹیوں کی طرح انہوں نے بیٹے کے لیے بھی تیاری کرنی شروع کر دی تھی۔ تب ہی تو مجیب درابی سے تعلق بنا کر اسے ان کے پاس یہ کہتے ہوئے بھیجا تھا۔

"وہ ٹھنڈے مزاج کا گرم انسان ہے۔۔۔ خاموشی سے اس کی بات مانتے رہنا۔۔۔ پھر میں سب دیکھ لوں گا۔"

خاموشی سے اس کی بات مانتے رہنا' یعنی اس کی بیٹی

سے شادی کرلینا۔ اس کے گھر میں رہ لینا۔ اختیارات ملتے ہی آزاد ہوتے جانا۔ درابی کے داماد کی حیثیت سے اعلا عہدے داروں سے مراسم پیدا کرنا' ضروری ہو تو ان کی بیٹیوں سے شادی کرلینا۔ دو' تین' چار جتنی شادیاں کرنا ضروری ہو کرلینا۔ وہ جانتا تھا کہ بابا کیسے جال بچھاتے تھے۔ لیکن اب وہ یہ نہیں جان پائیں گے کہ ان کے بیٹے کو درابی نے کس جال میں پھنسایا ہے۔

☼ ☼ ☼

قحبہ خانہ ہی اس کا مقدر تھا' وہ التموش کے ہاتھ بک چکی تھی' جسے سارا شہر ایک دلال کی حیثیت سے جانتا تھا۔ وہ دنیا بھر میں اپنا گھوڑا دوڑائے پھرتا اور ان موتیوں کو چن لیتا جو قحبہ خانے میں ہیروں کے دام بکتے۔ برجیس اس کے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا تھا اور وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "التموش اور مجھے؟"

"جلدی کرو۔ چابیاں تمہارے پاس ہیں۔ پچھلے باغ کی سمت سے بھاگ جاؤ' میرے گھر چلی جانا۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو۔ وہ ایسا کیوں کریں گے۔ میرا قصور کیا ہے؟" وہ حواس باختہ ہو گئی۔

"تمہارا قصور یوسف ہے۔ دونوں باپ' بیٹا پاگل ہو چکے ہیں۔"

برجیس جلدی سے اس کے کمرے میں کود گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا لیلیٰ کے کمرے کی طرف لایا۔ آہستگی سے دروازہ کھول کر اس نے اسے لیلیٰ کے قریب سو جانے کے لیے کہا۔ خود وہ جلدی سے باہر نکل گیا۔ اسے دو افراد کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ پھر اسے اپنے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔

"وہ اندر نہیں آئی۔" یہ عکرمہ تھا۔

"وہ لیلیٰ کے کمرے میں ہوگی۔" یہ مجیب درابی تھے۔ قدموں کی چاپ لیلیٰ کے کمرے کی طرف آئی۔ دروازہ کھلا اور عکرمہ نے اندر جھانک کر دیکھا اور دروازہ بند کردیا۔

"وہ اندر ہے۔ ایسا نہ ہو لیلیٰ بھی جاگ جائے۔ کل تک موخر کردیں؟"

"اور جو التموش باہر کھڑا ہے۔ اس نے سارا انتظام کرلیا ہے' اسے آج ہی شہر چھوڑنا ہے۔"

"آپ جائیں' میں اسے بہانے سے اٹھا کر آتا ہوں۔" کمرے کا دروازہ کھلا اور عکرمہ کے قدموں کی آہٹ پر وہ اتنا سہم گئی کہ دل چاہا چیخ مار دے۔

"کچھ خاص مہمان آئے ہیں' ان کے لیے کھانے کا انتظام کرنا ہے۔ شور کیے بغیر باہر آجاؤ' لیلیٰ کی نیند خراب نہ ہو۔"

ہولے سے یشفین کا شانہ ہلا کر' چراغ کی مدھم روشنی میں' عکرمہ نے اس پر جھک کر کان کے پاس آکر سرگوشی کی۔ یشفین نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اسے دیکھنے لگی۔ برجیس کی بات پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہ رہی۔

ایسا اکثر ہو جاتا تھا کہ انہیں رات کو اچانک آنے والے مہمانوں کے لیے کھانے کا انتظام کرنا پڑتا تھا' لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ عکرمہ اس کی یا لیلیٰ کی خواب گاہ میں رات گئے آئے اور اسے یوں شانہ ہلا کر جگادے۔ یہ کام صرف خادمائیں کرتی تھیں۔

وہ اتنی دکھی ہو گئی کہ سارا خوف دھل گیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے عکرمہ کو اپنی آنکھوں کا افسوس چھپا کر دیکھا۔ یہ وہی انسان تھا جس کے ساتھ وہ اور لیلیٰ بچپن میں کھیلا کرتی تھیں۔ جو انہیں اونٹ کی سواری کروایا کرتا تھا۔ انہیں سیر کے لیے دریا اور باغ میں لے کر جاتا تھا۔ لیکن جب وہ بڑا ہو گیا تو ہو بہو اپنے بابا مجیب درابی جیسا ہو گیا۔

یشفین کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے سوچا کہ اسے التموش کے ہاتھوں بک جانا چاہیے۔ اس کے آقا اس کی بولی لگا چکے ہیں۔ اسے سر جھکا کر ان کے احسانوں کی قیمت چکا دینی چاہیے۔

"میں آرہی ہوں۔" لیلیٰ جاگ نہ جائے اسی ڈر سے اس نے آہستگی سے کہا۔

عکرمہ کمرے سے باہر چلا گیا تو اس نے جھک کر لیلیٰ کے گال پر بوسہ دیا۔ اس کا دل چاہا وہ لیلیٰ کو اٹھا دے اور اس کے گلے سے لگ کر روئے کہ دیکھو' تم میری بہن بنی رہی ہو' لیکن تمہارا بھائی میرا بھائی نہیں بنا۔ تمہارا باپ میرا آقا بنا رہا۔ وہ رات کے اندھیرے میں' بدنام زمانہ دلال التموش کو لے آئے ہیں' وہ مجھے بیچ چکے ہیں۔ انہوں نے میری وفاداری' میری خدمت کی قیمت "التموش" لگائی ہے۔ انہوں نے ایک بار بھی مجھ سے یہ پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ حقیقت کیا ہے۔ میں تمہارے لیے یوسف کی محبت ٹھکرا چکی ہوں' لیکن میری وفاداری کے عوض وہ اپنا طیش نہیں دبا سکے۔

اس نے چاہا کہ وہ چلائے کہ سب جاگ جائیں۔ وہ ماں عزیزہ کی گود میں پناہ لے لے۔ لیکن اس نے جان لیا کہ اگر آج وہ بچ بھی گئی تو کل کی رات آج سے بدتر ہوگی۔ آج وہ گھر سے نہ اٹھائی گئی تو کل سربازار اٹھالی جائے گی۔ مجیب درانی اور عکرمہ کے سامنے اب کوئی ترکیب کارگر نہیں رہے گی۔ وہ جان چکی تھی کہ اب ماں عزیزہ اپنی جان کا' لیلیٰ اپنی محبت کا واسطہ دے کر بھی اسے نہیں بچا سکیں گی۔ وہ کمرے سے باہر آئی۔ اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ عکرمہ باہر ہی کھڑا تھا۔

"کسی اور خادمہ کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں ہے' آؤ میرے ساتھ۔"

وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلنے لگی۔ باورچی خانے کی طرف لے جانے کی بجائے عکرمہ اسے مہمان خانے کی طرف لے جانے لگا' جہاں **التموش** اس کا انتظار کر رہا تھا۔ گھر پر سناٹے کا راج تھا۔ رات کے روشن چراغ اور **مشعلیں** اسے خوف زدہ کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ ابھی اس نے باغ کی دیوار کے چھوٹے دروازے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ برجیس یک دم سامنے آیا۔

"اس طرف گودام میں کھٹکا ہوا ہے۔ یقیناً" چور گودام سے اناج چرا رہے ہیں۔" اس نے سخت گھبرائے ہوئے انداز میں عکرمہ سے کہا۔

عکرمہ جھلا گیا۔ "تم اس وقت گودام کا پہرہ دے رہے تھے؟"

"شور سے میں اٹھ بیٹھا۔ **بشفین!** تمہارے پاس گودام کے تالے کی چابی ہے۔ ذرا بھاگ کر لا دو' ایسا نہ ہو چور سارا گودام خالی کر دیں۔ آقا درانی میری کھال کھینچ دیں گے۔"

عکرمہ اور بری طرح سے جھلا گیا۔ "دفع ہو جاؤ یہاں سے... میں دیکھ لوں گا گودام۔"

لیکن وہ چابی لینے کے لیے اپنے کمرے کی طرف بھاگ چکی تھی۔ کمرے سے جلدی سے چابیوں کا پورا گچھا لے کر وہ کھڑکی سے باغ کی طرف کود دی۔ بھاگتے ہوئے اس نے باغ پار کیا اور بیرونی دیوار کے چھوٹے دروازے کا تالا کھول کر باہر نکل گئی۔ دروازہ اس نے اپنے پیچھے بند کر دیا اور اسے باہر سے تالا لگا دیا۔

باغ میں کودتے ہوئے اس نے سناٹے میں عکرمہ کی [illegible] تھی۔

"لے [illegible] آؤ گودام کی چابی... دفع ہو جاؤ' اب تم تو..." باہر نکل کر اس نے اپنے پورے چہرے کو چادر سے ڈھانپ لیا۔ وہ چھوٹی گلیوں میں گھس گئی اور اتنی تیزی سے بھاگنے لگی کہ گلیوں میں جھولتیں لالٹینیں' دیواروں میں نصب مشعلیں' کھڑکیوں سے جھانکتی چراغوں کی لو... سرسرا گئیں۔ اسے شدت سے اندھیرا مطلوب تھا۔

اپنے پیچھے اسے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ وہ جتنی بھی تیزی سے بھاگی تھی' انہیں اپنے عقب میں آنے سے روک نہیں سکی تھی۔ سارا شہر آئینہ ہو گیا... اندھیرا سورج ہو گیا... ہر دیوار' ہر سائے پر اس کا عکس بن گیا۔

"ادھر دیکھو... ادھر دیکھو... ہاں... تم اس طرف جاؤ... تم یہاں اس طرف..."

وہ چھ تھے یا شاید چھ سو... سارے شہر پر دشمن فوج نے چڑھائی کر دی... ہر گلی' ہر نکڑ گھوڑوں کے سموں تلے لرزنے لگی۔

وہ سارے شہر میں بھاگتی' چھپتی پھر رہی تھی۔ چادر

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے پلو میں منہ چھپا کر رو رہی تھی۔ اپنی سسکیوں' اپنے خوف کا گلا گھونٹ رہی تھی۔ اپنی حیثیت "کنیز" پر ماتم کناں تھی۔ کھلے آسمان کے نیچے' شہر کی گلیوں میں اپنی عزت بچانے کے لیے بھاگتے' اسے پہلی بار اپنی قسمت پر رونا آیا۔

ایک بار ایک گھڑسوار اس کے بس قریب سے ہی گزر گیا۔ وہ ایک دیوار کے سائے کے ساتھ سایہ ہو گئی۔ اس کی سانسیں کوئی تلوار سے قلم کر رہا تھا۔ اس کی ہمت اس کی پوروں میں دم توڑ رہی تھی کہ اسے خود کو التموش کے حوالے کر دینا چاہیے۔ پھر وہ ایک نان بائی کے تندور کی اوٹ میں چھپ گئی اور گھڑسوار اس کے قریب سے گزر گیا۔ وہ رات اس کا جال تھی' وہ جانتی تھی کہ وہ جال میں پھنس کر ہی رہے گی۔ برجیس کا گھر زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا' لیکن ایک قدم کا فاصلہ بھی اس کے لیے بہت تھا۔ اسے مرجانا چاہیے۔ ورنہ بک جانا چاہیے۔

☆ ☆ ☆

اونٹ پر بیٹھے اس نے قونیہ شہر کو الوداع کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے دنیا کی ہر چیز کو ہیچ پایا۔ اپنی حیثیت و مقام کو' کسی مردار کی طرح غلیظ پایا۔ جس وقت اس نے برجیس کے گھر کے دروازے پر دستک دی اس وقت اس کا سانس بس آخری دموں پر ہی تھا۔ جیسے ہی دروازہ کھلا' اندر قدم رکھتے ہی وہ بے ہوش ہو گئی۔ برجیس کی بیوی اسے مسلسل ہوش میں لانے کی کوشش کرتی رہی۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو خوف سے چیخ مار دی۔ برجیس کی بیوی نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اس کے منہ پر رکھ کر اس کی چیخ کو دبانے کی کوشش کی۔

"جلدی کرو شفین۔ میرے چچا تمہارے انتظار میں ہیں۔ تمہیں اناج کے ساتھ چھپ کر قافلے تک جانا ہے۔ تمہاری قسمت اچھی ہے۔ آج صبح ہی قافلے کی روانگی ہے۔" وہ بے یقینی سے برجیس کی بیوی کو دیکھتی رہی۔ اسے لگا کہ وہ خواب دیکھ رہی ہے۔ ابھی وہ لیلیٰ کے کمرے میں تھی اور اب اس سے کہا جا رہا ہے تم قافلے کے ساتھ جا رہی ہو۔

"دوبارہ اس شہر میں نہ آنا۔"

اسے کہا جا رہا ہے تم یہ شہر چھوڑ دو۔

وہ یہ شہر چھوڑ رہی ہے۔۔۔ باغ اور اس کے پھول' لیلیٰ اور اس میں اپنی جان۔۔۔

"التموش تمہیں پاگلوں کی طرح ڈھونڈتا رہے گا۔۔۔ تم چچا کے گھر سے باہر نہ نکلنا۔"

اس کی آزادی سلب ہو چکی ہے۔ وہ سب کچھ چھوڑ کر جا رہی ہے۔ پردے میں اونٹ پر بیٹھے وہ شدت غم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اتنا کچھ بدل گیا۔ نیلا آسمان سیاہ ہو گیا۔ زمین دلدل ہو چکی۔ ایک اجنبی کے آنے سے۔۔۔ ایک مہمان کے آنے سے۔۔۔ سسکیوں کے ساتھ' آہوں کے درمیان اس نے یوسف شعراوی کو بددعا دی۔

"تم نے مجھے شہر بدر کیا ہے میری بددعا ہے کہ تم دنیا بدر ہو جاؤ۔ تم پر پہاڑوں سی سختی آ پڑے۔ تم ایسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ کہ نکلنے کا چارہ نہ ہو پائے۔"

اسی صبح یوسف دنیا بدر ہو گیا۔ اپنی مصیبت سے نکلنے کا اس کے پاس کوئی چارہ نہ رہا۔ زندگی پہاڑوں سی سخت ہو گئی۔ اس کی عزیزاں اس کے فراق میں رونے لگی اور اس نے قید خانے کی دیوار کے ساتھ سر ٹکا کر سب سے پہلے اس کے لیے دعا کی۔ "میری محبت تمہارے لیے بھی مصیبت لائی ہو گی۔ اس مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے اس سے نکلنے کا سامان ہو جائے۔"

☆ ☆ ☆

اس نے زندگی میں کبھی کسی سے نفرت نہیں کی تھی' لیکن اب وہ ایک انسان سے نفرت کرنے لگی تھی۔ یوسف شعراوی سے۔ وہ بہت فرصت سے اسے بددعا دیتی تھی۔ وہ اس لمحے کو کوستی تھی جس لمحے وہ باغ کے پھولوں کو پانی دینے گئی تھی۔ وہ پھول اسے لے ڈوبے۔ وہ مسافر اسے لے ڈوبا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"جو پھول گھر کے باغ میں میسر ہیں تمہیں ان کی اتنی فکر نہیں، جتنی اس باغ کے پھولوں کی ہے۔" لیلیٰ اکثر اسے تنگ کرتی۔

"میں نے ایسے پھول کہیں نہیں دیکھے۔ شاید کسی مسافر کے ہاتھ سے لگے ہیں۔"

پھولوں کی آبیاری مسافر کے ہاتھوں سے ہوئی تھی یا نہیں، لیکن اس کی بربادی مسافر کے ہاتھوں ہی ہوئی تھی۔ وہ ہر رات رو کر سوتی، ہر صبح لیلیٰ کا خیال لیے جاگتی۔ ماں الزہرہ کی وفات کے بعد ماں عزیزہ نے اسے اپنے سینے سے لگا کر رکھا تھا۔ لیلیٰ نے اپنے ننھے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے تھے۔ ایک اجنبی آیا اور سب برباد کر گیا۔

برجیس کی بیوی کے چچا، بابا شوفی ایک ضعیف، لیکن باہمت انسان تھے۔ ان کی سرپرستی میں ان کے مرحوم بیٹے کی بیوہ اور دو بیٹے تھے۔ وہ اپنی بیوی اور بیوہ بہو کے ساتھ مل کر قونیہ سے جنوب کی سمت نواحی علاقے میں ایک سرائے چلاتے تھے۔ شروع شروع میں وہ سب التموش سے اتنے خوف زدہ رہے کہ اسے گھر میں چھپا کر رکھتے۔ وہ کتنے ہی مہینوں تک کمرے میں چراغ گل کیے خاموشی سے وقت گزارتی رہی۔ کوئی اسے نام سے مخاطب نہیں کرتا تھا۔ وہ پانچوں بڑی تن دہی سے اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ انہوں نے یہ مشہور کر دیا کہ ان کی بہو جمیلہ کی بھتیجی گاؤں سے ان کے ساتھ رہنے کے لیے آئی ہے۔

اس نے سرائے میں کھانا پکانے کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی تھی۔ بابا شوفی اسے منع کرتے رہے، لیکن وہ ایسے چھپ کر نہیں رہ سکتی تھی۔ اس نے ان سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ وہ کبھی باورچی خانے سے باہر نہیں آئے گی۔ اپنی آواز ظاہر نہیں کرے گی۔ ڈرتے ڈرتے انہوں نے اسے اجازت دے دی تھی۔

وقت نے دنوں، ہفتوں، مہینوں کے ساتھ سفر کرتے ان کا خوف زائل کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ پہلے سے کچھ پُرسکون ہو گئی تھی یا کم سے کم کام کرتے وقت وہ پُرسکون رہا کرتی تھی۔ ماں عزیزہ کے گھر کی طرح اس نے اناج کے ایک ایک دانے کا حساب رکھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ سرائے کے باورچی خانے میں صبح سے شام تک چولہوں میں آگ دہکاتی، کھانے بناتی، تندور پر نان لگاتی۔ اس نے ایک بڑے گھر کا انتظام سنبھالا ہوا تھا، سرائے کا نظم و نسق سنبھالنے میں اسے وقت نہیں لگا تھا۔

آہستہ آہستہ سرائے میں تبدیلیاں ہونے لگیں اور وہ دوسری سراؤں سے بہتر لگنے لگی۔ سرائے کے کھانوں کا ذائقہ پسند کیا جانے لگا۔ کمروں کے بستر، شمع دان، چراغ اور ٹھنڈے موسم میں گرم پانی کا انتظام خاص رہا۔

دو سال گزرے تو سرائے کا کام اتنا بڑھ گیا کہ انہوں نے چار خدمت گار رکھ لیے۔ ایک اس کے ساتھ باورچی خانے میں ہوتا۔ ایک اصطبل میں... دو دوسرے معاملات دیکھتے۔ اپنے چہرے پر وہ پیشانی سے چادر کھینچ کر رکھتی تھی گونگوں کی طرح کام کرتی تھی۔ عرصہ ہوا اس نے سورج کی کرنوں کو اپنے چہرے پر پڑنے نہیں دیا تھا۔ عرصہ ہوا وہ رات کو لیلیٰ کے پہلو میں سوتی تھی اور صبح روتے ہوئے اٹھتی تھی۔ سرائے کا کھانا جس کا ذائقہ مہمانوں میں مشہور تھا، اس سے اس کھانے کے دو نوالے نگلنا دوبھر ہو جاتا۔ اس کے حسن کی تاب برقرار نہ رہی۔ وہ راتوں میں رو کر، دنوں میں آنسو پی کر گزارتی رہی۔

☆ ☆ ☆

بہار ہر شے پر غالب تھی۔ سوائے لیلیٰ حمدی کی آنکھوں کی خزاں کے۔ جو اسی وقت صحرا ہو گئی تھیں، جب اس کی پیاری سہیلی، اس کی عزیز از جان بہن اس لڑکے کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی تھی جس سے اس کی اپنی شادی ہونے والی تھی۔ وہ یشفین کے دل کا بھید نہیں پا سکی تھی۔ اس غم نے اسے کبھی آسودہ نہ ہونے دیا۔

گھر میں شور برپا تھا۔ گھر کا قیمتی سامان، ماں عزیزہ کے صندوق میں رکھے سونے کے سکے اور زیورات غائب

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھے۔ ماں گم صم، سرخ آنکھیں لیے ساکت بیٹھی تھی۔ اس نے اس ساری صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کی، لیکن سمجھ نہ سکی۔ وہ عکرمہ کی شکل دیکھ رہی تھی جو غصے سے بول رہا تھا۔

"آدھی رات کو میں نے خود اسے یوسف کے ساتھ بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔ ساری رات پاگلوں کی طرح انہیں ڈھونڈ تا رہا ہوں۔ آپ سے کہا تھا تم آنکھیں کھول کر رکھا کریں۔ اپنے ہاتھ سے نوالے بنا بنا کر اس کے منہ میں ڈالتی تھیں آپ۔"

"بھاگنا تھا' بھاگ گئی۔ جو لینا تھا لے گئی۔ جو بھی تھا' ہمارے گھر کی عزت تھی۔ اب سب خاموش رہو۔" بابا نے کہا۔

"آپ نے کیوں ان خادموں کو اتنا سر چڑھا رکھا ہے۔" عکرمہ طیش سے بل کھا رہا تھا۔

"خاموش رہو۔۔۔ سنا نہیں تم نے کہ اس بات کا اب کوئی ذکر نہیں ہوگا۔" بابا نے تیز آواز سے کہا۔ لیلیٰ نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں خون آشام ہو گئیں۔ کیسی منحوس صبح تھی وہ۔

"یشفین نے ایسا کیوں کیا ماں؟" عزیزہ نے بڑھ کر لیلیٰ کو اپنی بانہوں میں چھپا لیا اور لیلیٰ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"وہ جہاں رہے خوش رہے۔" انہوں نے بڑے صبر سے کہا۔

"اب میں کیسے خوش رہوں گی اس کے بغیر۔۔۔ وہ میرا سب کچھ لے گئی۔" اسے روتے ہوئے زمانے بیت گئے تو اس نے یشفین کے کمرے میں جا کر ایک ایک چیز کو غصے سے پھینک دیا۔ اس نے پورے کمرے کو تہ و بالا کر دیا پھر وہ دروازہ بند کر کے رونے لگی۔ کمرے کو اسی حالت میں چھوڑ کر اسے باہر سے تالا لگا دیا گیا۔ چابی لیلیٰ نے دریا میں پھنکوا دی۔

اس کے بعد وہ مہینوں بیمار رہی۔ شہر کا ایسا کوئی حکیم نہیں بچا تھا جس سے اس کا علاج نہیں کرایا گیا تھا۔ دو چار دن وہ ٹھیک رہتی' پھر مہینوں کے لیے بیمار ہو جاتی۔

اس کی صحت یابی کے لیے کیا کچھ نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن جو غم اس کے دل کو لگ گیا تھا اس کی دوا کسی حکیم کے پاس نہیں تھی۔ ماں نے بھی خاموشی اوڑھ لی تھی۔ عبادت میں مصروف رہتی تھیں۔ گھر ویران ہو گیا تھا۔ شہر اجڑ گیا' باغ خزاں ہو گیا' دریا کا پانی بے سمت بہنے لگا۔ قونیہ کے آئینہ سازوں نے وہ آئینہ بنانا چھوڑ دیا جس میں لیلیٰ درابی اپنا حسن دیکھ کر مسکرا دیا کرے۔

جیسے ہی وہ بیماری سے کچھ سنبھلی' بابا نے اس کی شادی عماد حمدی سے طے کر دی جو عمر میں اس سے دس بارہ سال بڑا تھا۔ جس کی سیاہ داڑھی میں سفید بالوں کی جھلک نمایاں ہونے لگی تھی۔

اس نے جب پہلی بار اپنے دولہا کو دیکھا تو اسے یوسف یاد آ گیا۔ اس نے یوسف کے ہی خواب دیکھے تھے۔ لیکن وہ تو اس کی بہن کے ساتھ بھاگ گیا تھا۔ اس نے ان دونوں کو کوئی بددعا نہیں دی تھی' لیکن وہ انہیں یاد کر کے رو دیتی تھی۔ ان کی یاد ناسور تھی۔ راتیں نیند سے خالی' دل قرار سے۔ ہار سنگھار میں اس کی دلچسپی ختم ہو چکی تھی۔ شادی کے ملبوسات اور زیورات کو اس نے صندوقوں میں ہی پڑے رہنے دیا تھا۔

عماد حمدی اس کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ ان کی نیند خراب نہ ہو' وہ اپنی سسکیاں دبا لیتی۔۔۔ لیکن کبھی نیند میں یا خواب میں وہ یشفین کو پکارتے رو دیتی تھی۔

"کیوں رو رہی ہو لیلیٰ؟"

ایک رات اسے نیند سے بیدار کر کے عماد حمدی نے پوچھا۔ اس کے چہرے پر چھائے کرب کو دیکھ کر وہ غمگین ہو گئے۔ لیلیٰ بے بس ہو گئی اور عماد کے سینے سے لگ کر بہت دیر تک روتی رہی۔ لیکن وہ انہیں یہ بتا نہیں سکی کہ یہ تکلیف مجھے چین نہیں لینے دے رہی کہ یشفین نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ اگر اسے یوسف اتنا ہی پسند آ گیا تھا تو وہ ماں کو بتا دیتی یا مجھے۔ کیا دنیا میں ایسی کوئی چیز تھی جسے میں یشفین کو دینے سے انکار کر دیتی۔۔۔ یوسف بھی۔۔۔ اس نے میرے سامنے یہ اقرار کیوں نہیں کیا کہ شہر میں ملنے والے اجنبی کو وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

دل دے بیٹھی ہے۔

★ ★ ★

وہ شہر میں ملنے والے اجنبی کو دل دے بیٹھی تھی، لیکن یہ دل وہ لیلیٰ کی خوشیوں پر نچھاور کرنے کا عہد کر چکی تھی۔

نظیر شعراوی نے اتنی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی کہ وہ اپنے داماد کو ہی بتادیں کہ یوسف کی کہیں کوئی خیر خبر نہیں ملی۔ بلکہ انہوں نے ایک فرضی کہانی تیار کرلی تھی، تاکہ یوسف کی ماں ان کا سر نہ کھائے اور ان کی بچی کھچی دولت کو یوسف کو تلاش کرنے والوں میں تقسیم نہ کردے۔

"وہ اپنی بیوی کو لے کر مجھ سے ملنے کیوں نہیں آیا؟" نظیر شعراوی کی سنائی کہانی سنتے ہی انہوں نے بے قراری سے پوچھا۔

"آجائے گا، اتنی جلدی کیا ہے۔" انہوں نے اطمینان سے کہا۔

"پھر بھی کب آئے گا؟ کچھ بتایا تو ہوگا۔ کوئی خط بھی نہیں بھیجا میرے لیے۔"

"تمہیں خط پڑھنا آتا ہے؟"

"میں کسی سے پڑھوالیتی۔"

"خاموش رہ جاہل عورت۔ میرا سر نہ کھا۔ وہ اپنی بیوی ــــ کے ساتھ بہت خوش ہے۔"

"میرا یوسف ــــ وہ خوش ہے تو میرا دل کیوں تڑپ رہا ہے۔" وہ بھی تڑپ رہا تھا۔ یہ خیال اسے بے قرار رکھتا کہ اس کی ماں اس کے فراق میں رو، رو کر دیوانی ہو چکی ہوگی۔ اس نے ایک لڑکی سے محبت کی اور زبان دے کر جان دینے والوں کی طرح، دل دے کر اس نے جان ہی دی ــــ اور ماں ــــ ماں کے لیے کیا کیا؟

ایسے ہی وقت اس کی بے چینی سوا ہو جاتی۔ بے بسی عروج پر ہوتی۔ پتھر کی سلوں پر ہتھوڑے کی ضربیں دماغ جھنجھنا دیتی۔ اسے یقین ہوتا کہ ماں اس کی غیر حاضری پر صابر ہوگی، شفیق محفوظ ہوگی۔ لیکن اس کے مومن دل کے یقین کو اس کا کافر وسوسہ سمادیتا۔

اس نے بارہا کوششیں کی کہ وہ کسی طرح ماں کے پاس پیغام بھجوا سکے، لیکن ناکام رہا۔ کچھ پہرے دار اس سے ہمدردی رکھتے تھے، لیکن پیغام باہر بھجوانے کے لیے وہ کسی صورت تیار نہ تھے۔

"مجیب درابی کی بیٹی کی شادی ہو چکی ہے۔ تم درابی کے قدموں میں گر کر معافی مانگ لو۔ یوں قید خانے میں اپنی جوانی برباد نہ کرو۔ تمہاری بہادری زنجیر پا ہے اور تمہاری وجاہت کو دیمک چاٹ رہی ہے، کم عقلی چھوڑ دو۔"

"اگر معافی ہی مطلوب ہوتی تو درابی کی بیٹی میرے نکاح میں ہوتی۔"

"ضد نہ کرو۔ بلاوجہ کی غیرت موت کو دعوت ہے۔ تمہاری ماں تمہارے انتظار میں تڑپ رہی ہوگی۔ عکرمہ تمہیں کسی صورت باہر نہیں آنے دے گا۔ تمہیں لگتا ہے کہ تمہاری عبادت، تمہاری دعا اور صبر تمہیں یہاں سے آزاد کرادے گا؟"

"جس انسان میں غیرت نہیں اسے قابل احترام زندگی گزارنے کا حق بھی نہیں۔"

"تمہاری یہ ہی باتیں تمہیں لے ڈوبیں جوان۔" اگر یہ ڈوبنا تھا تو اسے سطح پر آنے کی کوئی تمنا نہیں تھی۔ عکرمہ جو گاہے بگاہے اس کی حالت سے محظوظ ہونے کے لیے آیا کرتا تھا، وہ اس کے اس ارادے کو اور پختہ کرتا رہا کہ اسے مر کر بھی درابی کی غلامانہ پیش کش پر غور نہیں کرنا۔

"پہرے دار بتارہا تھا کہ تم معافی کے طلب گار ہو؟ مجھے پسند آئی یہ بات۔ لیکن اب تمہاری سزا بڑھ چکی ہے۔ تمہیں سارے شہر کے سامنے میرے باپ کے پیروں میں گر کر معافی مانگنی ہوگی۔"

"تمہیں اس غلط فہمی میں کس نے مبتلا کیا کہ ایسا کبھی ہوگا؟" وہ استہزائیہ ہنس دیا۔

"تو تم قید خانے میں خوش ہو۔"

"میں خوش ہوں کہ میں سزا کاٹنے والوں میں سے ہوں، دینے والوں میں سے نہیں۔ میں خوش ہوں کہ میری قید میرا انعام لے کر آئے گی، مجھے قید کرنے والے کے لیے عذاب ــــ میں خوش ہوں کہ میں بے بس ہوں۔ جو بے بس ہوتا ہے اس کا چارہ گر خدا ہوتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے۔"

عکرمہ نے قہقہہ لگایا۔ "ابھی تو سزا شروع ہوئی ہے' دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ فقط تین سال چار مہینے۔"

☆ ☆ ☆

بابا شوفی کی سرائے کا کام نفع بخش ہو گیا تھا۔ انہیں فائدہ ہو رہا تھا۔ ان کے کچے بے آرام گھر کی آرائش ہونے لگی تھی۔ مٹی کی زمین پر پتھر کی سلیں بچھ گئی تھیں۔ کھڑکیوں دروازوں کو چوکھٹوں سمیت بدل دیا گیا تھا۔ کمرے روشن اور آرام دہ ہو گئے تھے۔ ان کا گھر سرائے سے کچھ فاصلے پر ہٹ کر تھا۔ گھر کے معاملات سرائے سے الگ تھے۔ بابا شوفی کو یہ پسند نہیں تھا کہ گھر کو بھی سرائے بنا کر رکھا جائے۔ رات کو وہ انہیں حقہ دہکا کر دیتی' ماں کا بستر بناتی' دونوں بچوں علی اور عمر کو ان کا سبق دہرانے میں مدد دیتی اور کبھی جمیلہ کے ساتھ کچھ کڑھائی سلائی کرتی۔ جب کبھی جمیلہ دونوں بچوں کو کہانی سنا رہی ہوتی تو وہ چپ چاپ کونے میں اپنے بستر پر بیٹھی سنتی رہتی' لیکن جہاں کہانی میں کوئی شہزادہ آتا وہ نفرت سے منہ موڑ لیتی۔ کمرے سے' گھر سے باہر نکل آتی۔ اسے وہ رات یاد آجاتی جب وہ التموش کے شکنجے سے نکلنے کے لیے بھاگتی پھر رہی تھی۔ وہ کیسے بھول سکتی تھی کہ شہر کی گلیوں میں اس رات کیسا خوف تھا۔

زندگی تہ در تہ چٹانیں کھسکا رہی تھی... کھائیاں دکھا رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ چراغ بجھا کر اندھیرے کو چھت تک گھورتی رہتی اور کبھی چپکے سے گھر سے باہر نکل میدان میں کھڑی ہو جاتی۔ ہوا اس کے منتشر لمبے بالوں کو اڑانے لگتی اور وہ اپنے چہرے کو رات میں عیاں کیے دور سے گزرتے قافلوں کو دیکھتی۔

رات کو قافلے قیام کرتے ہیں' سفر نہیں۔ لیکن اسے ہمیشہ یہ ہی لگتا کہ کوئی آرہا ہے... دور سے... بہت دور سے... کوئی تو اس تک آ ہی رہا ہے... لیلیٰ... ورنہ ماں عزیز... وہ اسے یہاں ویرانے میں اکیلا کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ رات کی تیز ہوا سے اس کی چادر پھڑپھڑا رہی ہوتی۔ اس کی آنکھیں نم ہو جاتیں اور بالآخر وہ رونے لگتی۔

جس رات وہ وہاں سے بھاگی تھی' اس رات کے دن برجیس کو عکرمہ کے ارادے کے بارے میں معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے مجیب درانی اور عکرمہ کو مہمان خانے میں باتیں کرتے سن لیا تھا۔ وہ یشفین کو بتانا چاہتا تھا لیکن وہ اور لیلیٰ گھر پر موجود نہیں تھیں۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ یشفین کو ڈھونڈ کر مطلع کرتا۔ اپنی بیوی اور چچا کو ساری صورت حال سمجھا کر وہ اس انتظار میں تھا کہ سب خادم سو جائیں اور وہ رات کو یشفین کو ساری صورت حال اچھی طرح سے سمجھا دے' تاکہ وہ بابا شوفی کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو جائے' جو شہر میں اشیا کی خرید و فروخت کی غرض سے موجود تھے۔ اسے گمان تک نہیں تھا کہ التموش اسی رات آجائے گا۔

بابا شوفی سے اسے یہ سب معلوم ہو چکا تھا۔ پھر وہ برجیس کا انتظار کرنے لگی کہ شاید وہ آئے اور اسے کچھ گھر کے حالات کے بارے میں بتائے کہ اس کے دل کو تسلی ہو جائے۔ لیکن ان سالوں میں برجیس بھی نہیں آیا۔ اس نے ایک پیغام بھجوا دیا تھا کہ یشفین کی شادی کر دی جائے۔ لیکن اب اسے شادی سے کیا سروکار۔ لیلیٰ جیسی معصوم دل لڑکی کا دل اس کی وجہ سے دکھا۔ وہ شادی کر کے اپنا دل کیسے آباد کر لے۔ دل...؟؟

اندھیرے کے بادلوں میں گھوڑے پر سوار ایک مسافر اس کی نظروں کے سامنے آ جاتا۔ وہ دور سے آہستہ آہستہ اس کی طرف آرہا ہوتا... اس کا نام لے رہا ہوتا اور وہ فوراً" اپنا رخ پھیر لیتی... سسکتی ہوئی بھاگ کر اپنے بستر پر گر جاتی اور انتظار کرتی کہ جلدی سے صبح ہو اور وہ دہکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں خود کو مصروف کر دے۔

"زندگی تہ در تہ معمہ تھی۔ فراق سہنا سکھا رہی تھی۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

قید خانے کی مقررہ مشقت سے اگر کچھ وقت میسر آجاتا تو وہ ان پڑھ قیدیوں کو پڑھنے کی طرف راغب کرنے پر صرف کرتا۔ گو کسی بھی قیدی کو پڑھنے لکھنے سے دلچسپی نہیں تھی، لیکن اس نے اصرار سے کچھ کو راضی کرلیا تھا۔ پتھر کے چاک سے اس نے انہیں کم سے کم ہندسے پڑھنے لکھنے سکھادیے تھے۔

ایک دن قید خانے میں سات رکنی جماعت پڑتال کے لیے آئی۔ سات کیا بارہ، بیس رکنی جماعت بھی آجاتی تو بھی انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ وہ لگے بندھے طریقے سے آتے، پڑتال کرتے اور چلے جاتے۔ کھانے کو کیا مل رہا ہے۔ سونے کے بستر کیسے ہیں۔ پہرے داروں کا رویہ کیسا ہے۔ مشقت کا دورانیہ کتنا ہے۔ ان سب کی صحت اور بیماری کی صورت میں علاج اور دوا کی کیا صورت حال ہے۔

کسی قیدی کو بھی ان سب سوالوں کا جواب دینے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اور ہوتی بھی کیوں؟ جب ان کا کام تھا آنا، پڑتال کرنا اور چلے جانے تو وہ کچھ بتا کر پہرے داروں کے تشدد کا عذاب کیوں بھگتتے۔ جماعت جب انصاف پسند، نظم و نسق پر عمل درآمد کرنے پر قادر نہیں تھی تو وہ کیوں پہرے داروں کو ناراض کرتے۔

اس بار جماعت کے ساتھ کوئی عماد حمدی آیا تھا۔ شاید اسے کوئی نیا نیا عہدہ ملا تھا یا اعزازی طور پر اسے اس جماعت کا رکن بنایا تھا کہ وہ کافی ہوش مندی سے قید خانے کی پڑتال کررہا تھا۔ ایک ایک سے جا کر سوال کررہا تھا اور جواب کے لیے اصرار بھی کررہا تھا۔ سب نے رٹے رٹائے جواب دے دیے۔ کھانا اچھا ہے۔ اس دن اچھا کھانا بنتا۔ بستر آپ دیکھ لیں۔ بستر بھی نئے لاکر رکھ دیے جاتے۔ مشقت کا دورانیہ فجر سے عصر تک۔ اس دن اتنا ہی ہوتا۔ تشدد، صرف غلطی پر معمولی سزا۔ ورنہ ہتھوڑے سے ان کے پیروں کے ناخنوں پر ضربیں لگائی جاتیں۔ پتھروں سے ہاتھ پیر کچل دیے جاتے۔

"پڑھے لکھے لگتے ہو۔" عماد حمدی اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

یوسف خاموش رہا۔

"کچھ لکھتے پڑھتے ہو یہاں؟"

"نہیں!" یک حرفی جواب دیا۔

"کس جرم میں ہو یہاں؟"

"ایک تاجر کی بیٹی سے شادی سے انکار پر۔" ایک دم سے یوسف کے منہ سے نکل گیا۔ ورنہ اس کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے باقی سب کے لیے بھی پہرے داروں کا جلال عذاب بنے۔ ان کے کھانے روک لیے جائیں، بستر کھینچ لیے جائیں اور رات رات بھر ان سے مشقت کرائی جائے۔ پتھروں سے جسم کچلا جائے۔ عماد حمدی نے اسے غور سے دیکھا کہ کیا وہ مذاق کررہا ہے۔

"کون تاجر..... کیسی شادی؟"

"جھوٹ بول رہا ہے یہ۔ اس نے جناب عبدالفتاح کے گھر سے شاہی دستاویزات چرائی تھیں۔ یہ بہت خطرناک اور چالاک انسان ہے۔ ہر طرح کا طریقہ اس پر آزما لیا ہے لیکن یہ بتانے کے لیے تیار نہیں کہ یہ کن کے لیے کام کرتا ہے۔ فرنگیوں کا جاسوس ہے یہ۔"

مجیب درانی کے وفاداروں میں سے ایک نے عماد حمدی کو اپنی طرف متوجہ کرکے جلدی جلدی اس کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔ عماد حمدی نے گردن موڑ کر یوسف کو دیکھا۔ یوسف نے بھی اپنی نظریں عماد حمدی کی نظروں میں پیوست رکھیں۔

☼ ☼ ☼

"لیلیٰ مجھے خوف ہے کہ میری بات تمہیں دل گرفتہ کرسکتی ہے لیکن میں اب یہ معاملات تمہارے ساتھ زیر بحث لائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے مسلسل شکایتیں موصول ہورہی ہیں۔ تمہارے بابا کے آدمیوں نے گاؤں کی ایک سرائے میں بہت توڑ پھوڑ کی ہے۔ عکرمہ نے ایک غریب نان بائی کو شہر چھوڑنے پر مجبور کردیا ہے۔ عکرمہ نے اس کا گھر اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ تمہارے بابا کے ایک غلام کو بھی عکرمہ نے بری

WWW.PAKSOCIETY.COM

طرح سے زدوکوب کیا ہے' میں نے اس کے زخم دیکھے ہیں۔ ایسے واقعات تو اب معمول بن چکے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ انہوں نے اپنے وفادار پھیلا رکھے ہیں جو مجھے بھی ان کے خلاف کچھ کرنے نہیں دیتے لیکن ایسا آخر کب تک چلے گا۔ اب یہ اطلاعات بھی ملنے لگی ہیں کہ وہ التموش کی سرپرستی کررہے ہیں۔ تمہارے بابا کے تجارتی قافلوں میں لڑکیاں چھپا کر لائی اور لے جائی جاتی ہیں۔ کیا ہماری عزتیں التموش کے ہاتھوں قحبہ خانے کی زینت بنیں گے۔"

"آپ التموش کو پکڑیں' بابا کے دشمن ان کے خلاف باتیں پھیلاتے ہیں۔"

"التموش صرف ایک انسان نہیں ہے' وہ ایک گروہ ہے لیلیٰ!۔ وہ اب تک پکڑا جاتا اگر تمہارے بابا جیسے لوگ اپنی دولت اور اختیارات سے اس کے سرپرست نہ بنے ہوتے۔"

"آپ کے عہدے دار ایماندار نہیں۔۔۔ آپ ان پر سختی کریں۔ وہ دولت کے لالچ میں کیوں آتے ہیں؟"

"لیلیٰ تم اپنے بابا سے بات کرو۔ میں نے ان سے بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بھڑک گئے۔ وہ مجھے برا بھلا کہنے لگے۔ میرے تمہارے بابا کے ساتھ تعلقات بہت کشیدہ ہو چکے ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ تم سے کچھ کہتے میں نے تمہیں سب بتادینا مناسب سمجھا۔"

"مجھے تکلیف دے کر آپ کو خوشی ہورہی ہے۔ بابا کے بارے میں ایسے بات کریں گے اب آپ؟"

"لیلیٰ! کیا تمہاری ساری زندگی کمخواب اور ریشم کے لبادوں میں سجنے سنورنے میں گزری ہے؟ تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ تمہارے بابا کے پاس اتنی دولت کیسے آئی؟ وہ کس کسی چیز کی تجارت کرتے ہیں۔ تم نے کبھی ان کی شخصیت کی حقیقت کو جاننے کی کوشش نہیں کی؟" لیلیٰ عماد حمدی کا منہ دیکھنے لگی۔

"کیا ہے میرے بابا کی حقیقت؟"

"تمہارے بابا ایک اچھے انسان نہیں ہیں۔ اپنے فائدے کے لیے وہ کسی کا بھی نقصان کرسکتے ہیں۔"

عماد حمدی نے پوری کوشش کی کہ وہ ایسے الفاظ استعمال کرے جو لیلیٰ کو بہت زیادہ تکلیف نہ دیں۔ ورنہ لیلیٰ کی آنکھ کا آنسو عماد کے دل پر گرتا تھا۔

وہ اگلے ہی دن گھر آئی اور ماں سے ملی۔

"بابا التموش کی سرپرستی کررہے ہیں' کیا آپ جانتی ہیں۔۔۔؟"

ماں نے حیرت سے لیلیٰ کو دیکھا۔ "کیا تم بالکل ہی پاگل ہوگئی ہو لیلیٰ۔ کیسی باتیں کرتی ہو؟"

"کس نے کہا ہے تم سے یہ۔۔۔؟" عکرمہ کو اندازہ تھا کہ یہ سب اسے کون بتا سکتا ہے۔

"سارا شہر کہہ رہا ہے۔۔۔" لیلیٰ نے جلدی سے بات بنائی۔

"سارا شہر یا تمہارا شوہر۔ عماد حمدی سے کہو کہ اگر وہ بابا کے رتبے اور دولت سے خائف ہے تو ایسے اوچھے ہتھکنڈوں سے وہ یہ سب حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ ان کی غلطی تھی جو انہوں نے اپنی بیٹی کا ہاتھ عماد حمدی کو دے کر' اسے اپنے برابر لے آئے۔ عماد حمدی کو جانتا ہی کون تھا شہر میں۔۔۔ ہے کیا عماد کے پاس۔۔۔؟"

لیلیٰ نے حیرت سے عکرمہ کو دیکھا۔ "تم ان کے لیے کیسے بات کررہے ہو؟"

"تم بابا کے بارے میں کیسے سوال کررہی ہوں؟ عماد حمدی بابا کے خلاف کیا کچھ کررہا ہے؟ وہ بابا کے تجارتی قافلوں کو سرحدوں پر روک لیتا ہے۔ وہ بابا کا نقصان کررہا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ اختیارات ہیں تو وہ ان کا ناجائز استعمال کررہا ہے۔ عماد حمدی کے آدمی اجناس میں اپنا مال چھپا کر بابا پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ غیر قانونی تجارت کررہے ہیں۔"

لیلیٰ بری طرح سے الجھ گئی۔ ماں کو الگ سے پریشان کردیا۔ گھر آئی تو اس نے عماد سے صاف کہہ دیا۔

"اگر آپ کو ان کی دولت چاہیے تو مجھ سے کہیں میں لاکر دوں گی لیکن ان کے خلاف ایسی باتیں پھیلانا بند کردیں۔ آپ داماد ہیں ان کے' انہیں عزت نہیں دے سکتے تو انہیں بدنام بھی نہ کریں۔ اگر التموش پکڑا نہیں جارہا تو اپنے عہدے داروں کو برخاست

WWW.PAKSOCIETY.COM

کردیں۔ بابا پر اس کی سرپرستی کا الزام لگا کر اپنی جان نہ چھڑائیں۔"

عماد حمدی نے سرد نظروں سے لیلیٰ کو ـــــ دیکھا کہ ان کی بیوی کس قدر بے وقوف ہے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ انہیں ایسے بے وقوف کو اس کی جنت میں ہی رہنے دینا چاہیے۔ جب تک وہ خود اپنی جنت کا دروازہ کھول کر باہر جھانکنا ضروری نہ سمجھے۔

☼ ☼ ☼

وقت بیت کر ماضی ہو جاتا ہے' درد ٹھہر کر ویسا ہی تازہ رہتا ہے۔

بابا شوفی نے ایک دن اسے اپنے پاس بٹھا لیا اور اسے بڑے پیار سے سمجھانا شروع کیا۔ انہوں نے صاف تو کچھ نہیں کہا لیکن ان کا مطلب یہی تھا کہ اسے شادی کر لینی چاہیے۔ ماں اور جمیلہ کو وہ کتنی ہی بار انکار کر چکی تھی۔ بابا نے سوچا کہ شاید وہ اسے سمجھا سکیں۔

"جانتی ہو میں نے برجیس کو خط لکھ کر ساری صورت حال بتادی تھی۔ اس کا جواب بھی تم نے پڑھ لیا ہے۔ اس نے مشکل سے عکرمہ کا شک خود پر سے زائل کیا تھا کہ اس کا تم سے اور تمہارے بھاگنے سے کوئی تعلق نہیں۔ تم جانتی ہو ان لوگوں کو۔ اگر انہیں شک ہو گیا تو برجیس کا اور ہمارا خاندان خطرے میں پڑ جائے گا۔ اس صورت حال میں تمہاری شادی کے لیے تمہاری ماں سے کیسے اجازت لی جاسکتی ہے۔ اگر کسی کو خبر ہو گئی تو ـــ ہم بوڑھے ہیں۔ تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے۔ تم کسی ایسے انسان کے زیر سایہ چلی جاؤ جو وقت پڑنے پر تمہاری جان و مال کی حفاظت کر سکے۔ ضد نہ کرو۔ عورت کی جان اس کی عزت میں مقید ہوتی ہے۔ التمش کا خوف میرے سر پر ابھی بھی منڈلاتا رہتا ہے۔ تم کب تک سرائے کے باورچی خانے میں خود کو چھپا کر رکھو گی۔ سرائے کی وہ جگہ تمہارا مقدر نہیں میری بیٹی! ضد نہ کرو۔"

یشفین نے لب سی لیے ـــ وہ یہ نہیں کہہ سکی کہ اسے شادی نہیں کرنی۔ زمین کے طول و عرض پر موجود اسے کسی انسان سے دلچسپی نہیں رہی۔ وہ سرائے کی آگ کے شعلوں میں اپنی زندگی گزار دے گی۔ تندور میں اپنا ہاتھ جھونکتے' وہ شادی کی لکیر کو ہی مٹا دے گی۔

کیا زندگی عرب کا صحرا ہے ـــ؟ ہاں ـــ لیکن زندگی اسی عرب کا نخلستان بھی ہے ـــ

سپاہیوں' پہرے داروں' قیدیوں کی ایک چھوٹی سی فوج تھی جو سرائے میں داخل ہوئی تھی۔ انہیں وہاں ایک رات قیام کرنا تھا۔

"جو جن صحرا کے طوفان سے نکلتے ہیں وہ ایسے خوف ناک ہوتے ہوں گے جیسے یہ قیدی ہیں۔" عمر اس کے پاس باورچی خانے میں آیا اور پوچھنے لگا۔

"شاید ایسا ہی ہو عمر ـــ"

"اتنے ہی بدبودار اور گندے؟" بڑے پتیلے کے نیچے جھک کر عمر نے آگ کو برابر کرنا چاہا۔

"وہ قیدی ہیں ـــ قیدی ایسے ہی ہوتے ہیں۔" اس نے گردن میں ہاتھ ڈال کر عمر کو پکڑ کر کھڑا کیا' کہ یہ تکلیف کرنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ آگ کو کہاں کم کرنا ہے کہاں برابر۔

"ان کے ہاتھوں' پیروں' منہ سے خون رس رہا ہے۔ وہ قیدی ہیں تو اس کا مطلب کیا یہ ہے کہ ان کے ساتھ ایسی سختی روا رکھی جائے۔"

کھانا پکانے کے برتنوں کے قریب کھڑی ماں نے باورچی خانے کی دیوار کے ان سوراخوں میں سے دیکھتے ہوئے کہا جن سے وہ انہیں نظر آرہے تھے۔ اس نے بھی سرسری نظر سے ان سب کو دیکھا۔ وہ کمزور لاغر تھے۔ گندے' غیر تراشیدہ بالوں' ویسی ہی الجھی داڑھیوں' گرد آلود جسموں کے ساتھ سالوں صحرا میں راستہ بھٹکنے والوں کی طرح۔ ان کی کھالیں ان کی ہڈیوں سے چپک گئی تھیں۔ ان کی آنکھیں' کھوپڑی کے پنجر میں حرکت کرتی خوف ناک لگ رہی تھیں۔ پہرے دار اور سپاہی ان سے تھوڑا ہٹ کر بیٹھے ہوئے تھے تاکہ وہ ان کے جسموں سے اٹھتی بو کو خود سے دور رکھ سکیں۔

ہاتھ سے ناک کو ڈھانپ کر عمر باہر نکلا اور صراحی سے آب خورے بھر بھر کر انہیں پانی پلانے لگا۔ علی اور دوسرے خادموں نے رکابیاں ان کے سامنے رکھنی شروع کردی تھیں۔ پہرے داروں کو ان کی ہدایت کے مطابق خاص برتنوں میں کھانا دیا گیا تھا اور ان پانچ پانچ قیدیوں کے سامنے ایک ایک رکابی رکھ دی گئی تھی۔ پہرے داروں کا کھانا لگانے کے بعد بابا نے قیدیوں کے لیے رکابیاں بھرنی شروع کردی۔ اب وہ تندور پر روٹی لگارہی تھی۔ علی اور عمر وہ روٹیاں باہر لے جارہے تھے۔ عمر ہر بار ناک بھوں چڑھاتا ہوا واپس آتا تو وہ ہنس دیتی۔

"فکر نہ کرو' وہ کل صبح چلے جائیں گے۔ ایک رات کی ہی تو بات ہے۔"

"لیکن مجھے خوف ہے وہ دوبارہ پھر لوٹ آئے..... فوج کے لیے راستے بنانے کا کام ابھی مکمل نہیں ہوا.... برف باری کے ختم ہوتے ہی یہ پھر سے آجائیں گے۔"

"وہ لوٹ آئیں گے تو کسی اور سرائے میں بھی رہ سکتے ہیں۔"

"آپ کے ہاتھ کے کھانے انہیں کسی اور سرائے میں کیسے [illegible] گے.... سپاہی یہیں آئیں گے۔"

"میں مزے دار کھانے بنانا چھوڑ دوں گی۔"

"پھر بابا کی سرائے کیسے چلے گی؟" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ تندور کی منڈیر پر بیٹھے بیٹھے اس نے روٹی کو رفیدے پر لگایا اور رفیدے کو ہاتھ میں پکڑے تندور کے منہ کی طرف بڑھایا کہ دیوار پر بنے سوراخوں سے اس نے بجھی ہوئی آنکھوں والے' دور دیس سے آنے والے' گھوڑے کی پیٹھ سے عورت کو مخاطب کرنے والے کو دیکھ لیا۔ رفیدہ تندور کے منہ پر اس کا ہاتھ سینکتا رہا۔ آگ کی تپش کا احساس اس کے پورے جسم میں دوڑ گیا۔ اس کا پورا جسم جل گیا۔ اس کا دل دہکتا ہوا تندور بن گیا۔

"آپ کا ہاتھ۔" عمر نے اس کا ہاتھ دیکھتے ہی چیخ ماری۔ شفین نے چونک کر اپنا ہاتھ پیچھے کیا اور.... پانی کے برتن میں ڈبو دیا۔ ہاتھ اتنا جل گیا تھا کہ اس پر فوراً آبلے ابھر آئے۔ کھال پھٹ گئی۔ ہاتھ سیاہ ہو گیا۔ اس نے اپنی دونوں آنکھیں سوراخوں پر لگا دیں۔

اس کے دائیں بازو پر شانے سے ہاتھ تک ایک گندا سا کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ جو جمے ہوئے اور رستے ہوئے خون سے خون آلود تھا۔ وہ بائیں ہاتھ سے بمشکل نوالے بنا بنا کر منہ تک لے جارہا تھا۔ بائیں ہاتھ کی دو انگلیاں بھی جمے ہوئے خون آلود کپڑے کی پٹی سے لپٹی تھیں۔ اس کی ایک آنکھ پر زخم بنا ہوا تھا اور وہ ٹھیک سے کھل نہیں رہی تھی۔ ان گنت نئے' پرانے زخم تھے جو اس کے چہرے' ہاتھوں' پیروں' گردن پر نمایاں تھے۔ اسے دیکھتے ہی پہچان لینا مشکل تھا۔ اگر وہ یوسف شعرادی ہی تھا تو وہ یوسف شعرادی جیسا ہرگز نہیں تھا۔

جس شخص کو وہ اہتمام سے بددعائیں دیتی رہی تھی' اسے اس کی ساری بددعائیں لگ گئی تھیں کیا۔ اب اس کے دل کو قرار تھا؟

اس نے سالن کا بڑا برتن اٹھایا اور چلتی ہوئی' جلتی ہوئی' قیدیوں کی ٹولی کے پاس آئی جو چٹائی پر پھسکڑا مارے' ندیدے پن سے روٹی کے بڑے بڑے نوالے توڑ توڑ کر منہ میں ٹھونس رہے تھے۔ نجانے کتنے دنوں کے بھوکے تھے بے چارے۔

اس نے اپنی چادر کے پلو سے اپنا چہرہ چھپا لیا اور اپنے جلے ہوئے ہاتھ سے ان کی رکابی میں سالن بھرنے لگی۔ اتنا بھر دیا کہ سب سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگے۔ لیکن صرف ایک انسان سر جھکا کر کھاتا رہا۔ اس نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ وہ دنیا سے بے زار ہو چکا تھا یا اس کا دل ہی بجھ چکا تھا۔ وہ اس کے سر کے قریب جھک گئی۔ اسے غور سے دیکھنے لگی۔

اس کے سر کے ڈھیر بالوں' جسم پر جمے میل' چہرے کے سکڑے ہوئے عضلات' آنکھوں کی بجھی ہوئی لو.... وہ وہ تو نہیں تھا جو کھڑکی کے اس طرف کھڑا کہہ دے.... "میں نے جس کی صراحی کا پانی بہا دیا ہے' میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کی محبت میں بہہ جانے کا عہد کر چکا ہوں۔"

جلے ہوئے ہاتھ سے اس نے روٹی کا ایک نوالہ توڑا اور اسے شوربے میں بھگو کر اس کے منہ کے قریب کر دیا۔ سارے قیدی یشفین کو دیکھنے لگے۔ وہ اپنا کھانا موخر کر چکے تھے۔

یوسف نے اپنے جھکے ہوئے سر کے قریب آنے والے نوالے کو دیکھا تو اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ چادر میں چھپا ایک چہرہ' اور جلا ہوا ایک ہاتھ..... وہ ہاتھ کانپ رہا تھا..... چادر میں چھپی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

یوسف نے ہاتھ بڑھا کر نوالہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اسے یہ جاننے میں وقت نہیں لگا کہ جو اس کے سامنے ہے' وہ وہی ہے جو اس کے دل سے کبھی اوجھل نہیں رہی۔ خدا نے اس کی حفاظت کی' اس نے خود کو سرخرو پایا..... ایک لمبی قید کاٹنے کے بعد اس نے رہائی پائی۔

اس نے روٹی کا دوسرا نوالہ توڑا اور شوربے میں بھگو کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ یوسف نے سر جھکا لیا' اگر وہ ایسے ہی اس کی طرف نوالے بڑھاتی رہی تو وہ مغرور ہو جائے گا۔ اس نے نوالہ اس کے ہاتھ سے لیا اور آہستہ سے کہا۔

"یہاں سے جاؤ..... مجھے اور شرمندہ نہ کرو۔"

باورچی خانے کی طرف بھاگ کر بھڑکتی آگ کے شعلوں کے آگے بھاپ اگلتے' برتنوں کے پاس کھڑی ہو کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اگر وہ کسی آقا کی کنیز نہ ہوتی تو وہ یوسف شعراوی سے محبت کرتی.....

اگر اسے کسی لیلیٰ درابی کی خوشی عزیز نہ ہوتی تو وہ اس کے گھوڑے کے پیچھے خیر کی دعا کرتی..... بددعا نہیں.....

☆ ☆ ☆

اس نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا کیوں نہیں کی تھی کہ اگر مجیب درابی اپنی اس جیسی خادمہ کو التموش کے حوالے کر سکتا ہے تو وہ اس لڑکے کا کیا حال کر سکتا ہے۔ جس نے اس کی بیٹی پر اس کی خادمہ کو ترجیح دی۔ تندور پر روٹی لگاتے اسے معلوم ہوا۔

"یوسف شعراوی قیدی کیسے بنا۔"

جس رات یوسف نے لیلیٰ سے شادی سے انکار کیا تھا' اس سے اگلی رات ہی تو التموش اسے لینے آگیا تھا۔ اس نے ایک بار بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ پھر یوسف کے ساتھ کیا گیا ہوگا؟ اس نے سوچا تو بس اتنا کہ وہ کنیز تھی' سزا کا حق رکھتی تھی۔ آقا درابی کا سارا بس اس پر چلا۔ یوسف نے شادی سے انکار کیا تو وہ یہی سمجھے کہ اس نے یوسف کے ساتھ مل کر یہ سب کیا ہے۔ وہ مجیب درابی کے غصے سے واقف تھی۔ لیلیٰ کی دل آزاری نہ ہو اس لیے اس نے اسے کبھی یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ شہر کے لوگ مجیب درابی اور عکرمہ کے بارے میں کیسی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ اسے کبھی کبھی لیلیٰ کی لاعلمی اور بے وقوفی پر غصہ بھی آتا تھا لیکن پھر اس کی معصومیت' یشفین کو اسے کچھ بھی بتانے سے باز رکھتی تھی۔ وہ اسے لاعلم ہی رکھنا چاہتی تھی کہ مجیب درابی کے بارے میں شہر کے معززین کی بیویاں کیسی کیسی باتیں کرتی ہیں۔ ان سب باتوں کا علم رکھنے پر بھی اس نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ یوسف کامل سلامتی لیے شہر سے رخصت ہو گیا ہوگا۔ وہ اس کی زندگی برباد کر کے' اپنی خوشحال زندگی کی طرف لوٹ چکا ہوگا۔ محبت کا دعوا کرنے والا اب تک سب کچھ بھول چکا ہوگا۔ اس نے یہ کیسے فرض کر لیا؟

رات کو بابا شوفی یوسف سے کچھ باتیں کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

"جس رات تمہیں التموش کے حوالے کیا جا رہا تھا' اس سے اگلی صبح یوسف کو قید کر لیا گیا تھا۔ اس پر کچھ اہم دستاویزات چرانے کا الزام تھا۔ اس پر کوئی مقدمہ نہیں چلنے دیا گیا نہ ہی وہ قاضی کے سامنے پیش ہوا ہے۔ بظاہر وہ قیدی ہے لیکن اس کی سزا کا تعین ہی نہیں کیا گیا۔ اسے اس وقت تک قید کاٹتے رہنا ہے جب تک مجیب درابی چاہے گا۔"

"مجیب درانی کئی غلاموں کا آقا تو ہو سکتا ہے ساری مخلوق کا خدا نہیں۔" یشفین نے غصے سے سوچا۔

☼ ☼ ☼

اگر اچانک قید خانے کا دروازہ کھل جاتا اور انہیں باعزت رہا کر دیا جاتا تو اسے اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی صرف اس حقیقت کو پا کر ہوئی کہ وہ محفوظ رہی ہے۔ اس پر وقت نے اپنی سختی کا شکنجہ نہیں کسا۔

"وہ ایک سرائے میں موجود ہے اور اپنا ایک ہاتھ جلا بیٹھی ہے۔" اس بات نے اس کے ہر زخم کو مندمل کر دیا ہے۔ اس کے خون رستے زخموں، اس کے مردہ پیروں، لاغر ہاتھوں کی ٹوٹی پھوٹی انگلیوں اور بد حال صحت کو۔ پیال پر سوتے، اس نے سرائے کے روشن دان سے جھانکتے آسمان کو بہت روشن پایا۔ اور دو ہاتھوں کو آسمان تک بلند ہوتے اور اس کی رہائی کے لیے گڑگڑا کر دعا کرتے۔

☼ ☼ ☼

وہ رات اس نے سرائے سے ملحق اس کمرے میں گزار دی تھی جس کے دوسری طرف یوسف سو رہا تھا۔ چھوٹی کھڑکی سے وہ یوسف کو دیکھ رہی تھی۔

"جو آسمانوں میں طے ہو چکا ہے، اسے زمین پر بدلنے کی کوشش کرنا چھوڑ دو۔" اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ جلے ہوئے ہاتھ کی تکلیف پورے جسم میں پھیل گئی تھی لیکن دل کی تکلیف اس پر بھاری تھی۔ ایک دیوار ان دونوں کے درمیان حائل تھی لیکن اس نے اپنے دل کی دیوار گرا کر سب فاصلے مٹا دیے تھے۔

جس رات التموش سے اس کا سودا کر دیا گیا تھا، اس رات ہی وہ اپنے آقاؤں کے احسانوں کی ایک ایک پائی چکا آئی تھی۔ مجیب درانی اب اس پر کسی بھی طرح کا کوئی حق نہیں رکھتا تھا تو اس نے اپنے وجود کو اس کی کنیز کی حیثیت کیوں دے رکھی؟ یوسف کا قصور اتنا ہی تھا کہ اس نے اس کنیز کو پسند کر لیا تھا۔ جو اپنی جان دے کر بھی نمک حلال کرنا چاہتی تھی۔ لیلیٰ کی خوشی کے لیے اپنی خوشی قربان کر دینا چاہتی تھی۔ اس سے زیادہ یوسف کا قصور کیا تھا؟ اتنی سی بغاوت پر ہی اسے قید خانے کا قیدی بنا دیا گیا۔

چراغ گل کیے، کھڑکی کے اس طرف بیٹھے اندھیرے میں راہیں تلاش کرتے یوسف کو دیکھتے یشفین نے اسے اپنی محبت کا عہد دے دیا۔ اس کے لیے دعا کا آغاز کر دیا۔

☼ ☼ ☼

بابا شوفی نے کسی بھی پہرے دار کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قیدیوں کے زخموں پر مرہم لگا دیے تھے۔ کچھ کے زخم ناسور بن چکے تھے۔ یوسف کا دایاں بازو بھی ان ہی میں سے ایک تھا جو ایک بڑے پتھر کے نیچے آ کر کچلا گیا تھا۔ اور بے جان شے کی طرح اس کے جسم کے ساتھ جھول رہا تھا۔ پتھر کوٹتے، راستے صاف کرتے، موسموں کی سختیاں سہتے، ان کے جسم ہڈیوں کے ڈھانچوں پر کھال کی نمائش ہو گئے تھے۔ اگر اب بھی انہیں واپس نہ لے جایا جاتا تو پھر وہاں ان کی قبریں ہی بنتیں۔

کھانا پکاتی یشفین کا دایاں بازو بھی مفلوج ہو گیا تھا۔ اس بات نے اس کے دل پر بہت قہر ڈھایا کہ وہ ایک ایسے شخص سے نفرت کرتی رہی ہے جو اس سے محبت کی پاداش میں قید کاٹ رہا ہے۔

جب وہ لوگ چلے گئے تو اس نے اپنا اسباب تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ اتنے سرد موسم میں سفر پاگل پن تھا۔ بابا شوفی اسے کسی صورت بھیجنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

"اب صبر سے کام لو بیٹی۔۔۔ ایسے معاملات اپنے ہاتھ میں نہ لو۔۔۔ اللہ ہے اس کے ساتھ۔"

"اللہ ہمیشہ ساتھ رہتا ہے لیکن دوا کے لیے حکیم کے پاس جانا پڑتا ہے۔۔۔ انصاف کے لیے حاکم کے پاس۔۔۔"

"مجھے تمہاری جان کا خوف ہے۔ تم کیسے اتنا لمبا سفر کرو گی۔ اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچا تو؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

"نقصان کے ڈر سے کتنی دیر کسی کا نقصان کرتی رہوں؟"

☆ ☆ ☆

عکرمہ 'التموش کا سرپرست بن گیا تھا۔ مجیب درابی نے اسے یہ تجارت سونپ دی تھی۔ دور دراز کے علاقوں میں ان کی سرگرمیاں بڑھتی ہی جارہی تھیں۔ وقت پڑنے پر وہ ڈاکوؤں کے گروہوں سے معاملات طے کرکے انہیں بھی استعمال کرلیتے تھے۔

مجیب درابی نے اپنے گرد انتظامیہ کے شکنجے کو کستے ہوئے دیکھا تو فی الفور اپنی سرگرمیاں محدود کردیں۔ وہ زیادہ تر وقت گھر میں رہتے۔ ورنہ کسی نہ کسی دعوت میں شریک ہوتے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ جان لیں کہ وہ فارغ البال' بے ضرر' اپنے چھوٹے سے کاروبار سے کنارہ کش معمولی سے تاجر ہیں' اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ حقہ پیتے' شہر کے حالات پر سلطان کے احکامات پر اظہار خیال کرنے والے ایک عام انسان۔ اب ان کے ہاتھوں میں ایک تسبیح بھی رہنے لگی تھی۔ دل پر پتھر رکھ کر انہوں نے کچھ مال اسباب خیرات بھی کیا تھا۔

داماد عماد حمدی اور سسر مجیب درابی کے تعلقات کی سرد مہری اب کوئی نئی بات نہیں رہی تھی۔ نئی بات یہ تھی کہ عماد حمدی نے ہی مجیب درابی کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کردیا تھا۔ وہ خود حکام سے مطالبہ کررہے تھے کہ مجیب درابی جیسے لوگوں سے سختی سے پیش آیا جائے۔

کیا اسی وقت کے لیے مجیب درابی نے عماد حمدی کو اپنا داماد بنایا تھا۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ عماد حمدی جلد ہی اعلا عہدوں تک رسائی حاصل کرلے گا۔ ان دنوں وہ شہر میں نیا نیا تعینات ہو کر آیا تھا۔ کتنے ہی مطلبی لوگ اسے اپنے حلقے میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ عماد حمدی کے بارے میں یہ افواہیں بھی گردش میں تھیں کہ بظاہر وہ انتظامیہ کا رکن ہے لیکن دراصل وہ شہر کے نظم و نسق پر کڑی نظر رکھنے والوں میں سے ایک ہے۔

انہوں نے عماد حمدی کو اپنا داماد بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ کسی برے وقت کے لیے انہوں نے اسے اپنی بیٹی دی تھی۔ ان کی دوربین نگاہوں نے عماد حمدی کا مستقبل دیکھ لیا تھا۔ وہ ان کے لیے ہر طرح سے نفع بخش تھا۔ عماد کے گھر کے مخبر خادموں سے انہیں کام کی باتیں معلوم ہوجاتی تھیں' یہ فائدہ کیا کم تھا۔

"اناطولیہ کے ایک گاؤں میں التموش روپوش ہے۔ اس کے گرد گھیرا تنگ کیا جارہا ہے۔"

وہ التموش کو خبردار کردیتے اور وہ روپوش ہوجاتا۔ بیٹی لیلیٰ کے کان وہ الگ سے بھرتے رہتے تھے۔ انہوں نے لیلیٰ کو یقین دلایا تھا کہ اس کی عماد حمدی سے شادی ان کی ایک بڑی غلطی تھی۔ لیلیٰ ان کی فرماں بردار بیٹی تھی لیکن شاید وہ اپنے شوہر سے محبت کرنے لگی تھی۔

"وہ بہت اچھے ہیں۔ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔"

"وہ ایک بے ایمان' لالچی انسان ہے۔ شہر کے حکام اعلا کے لیے دردِ سر بنا ہوا ہے۔"

دردِ سر تو وہ ان کے لیے بنا ہوا تھا۔ درحقیقت عماد حمدی کے اختیارات اس سے کچھ زیادہ ہی تھے جتنے وہ ظاہر کرتا تھا۔ لیکن کسی کے اختیارات کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں' مجیب درابی اپنے پیروں کے نشان نہیں چھوڑا کرتے تھے۔ اگر وہ غیر قانونی تجارت کرتے تھے یا سرحدی محافظوں کو انہوں نے مٹھی میں لے رکھا تھا تو یہ ایسا کوئی برا فعل بھی نہیں تھا۔ سب اپنے فائدے کے لیے یہی سب کرتے ہیں۔ رہی التموش سے تعلق کی بات تو خود التموش بھی یہ ثابت نہیں کرسکے گا کہ اس کا ان سے کوئی تعلق ہے۔

☆ ☆ ☆

بیٹی کی ماں بنتے ہی لیلیٰ جیسے دنیا کی سب سے ذمہ دار خاتون بن گئی تھی۔ اسے خود پر حیرت ہوتی کہ کیسے اس نے اپنی زندگی کو خود فراموشی میں گزار دیا۔ اس نے کوئی ایک بھی ڈھنگ کا کام کرنا کیوں نہیں سیکھا۔ اسے یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ زندگی سجنے' سنورنے اور بے فکری سے سوتے رہنے کے علاوہ بھی ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ اپنی بے وقوفیوں پر ہنس دیتی۔ اس نے بہت سے کام سیکھ لیے تھے۔ کچھ کھانا بنانے' کچھ گھر کی آرائش' کچھ سامان کی خرید و فروخت کی سوجھ بوجھ حاصل کرلی تھی۔ فارغ وقت میں وہ ننھی عنابیہ کے لیے کپڑوں پر پھول کاڑھتی رہتی۔ اس کے لیے موتیوں اور دھاگوں سے چھوٹے چھوٹے زیورات بناتی۔ جو گھر پہلے خادم دیکھتے تھے' اسے اب وہ خود دیکھنے لگی تھی۔ لیکن عماد حمدی صرف ایک وجہ سے خوش تھے کہ وہ اب خود خوش رہنے لگی ہے۔ اس نے رنج و غم کی تصویر بنے رہنا چھوڑ دیا ہے۔

ایک دن لیلیٰ اپنے گھر گئی تو پرانے سامان کو کھنگالتے ہوئے اس کے ہاتھ وہ کتاب لگی جو بابا صلاح نے اسے دی تھی۔

"تمہیں سب سے زیادہ ہوش مندی کی ضرورت ہے میری بیٹی۔"

کتاب کو سینے سے لگا کر وہ رو دی۔ اسے وہ وقت یاد آگیا تھا جب بابا صلاح کا رومال یشفین کے ہاتھ آگیا تھا اور وہ اس نے اسے دے دیا تھا۔

"تمہارے لیے میں نے بابا کی جیب سے رومال حاصل کیا ہے۔"

وہ جانتی تھی یشفین نے کبھی اپنے حق پر بھی اپنا حق ثابت نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے لیے بہترین کپڑے' زیورات' اور آرائش کا سامان لے کر آتی تھی۔ وہ اسے سب سے زیادہ حسین بنا دینا چاہتی تھی۔ پھر ایک یوسف کے لیے..... وہ اس سے دستبردار نہ ہوتی لیکن اسے بتا دیتی۔ اگر اسے بابا کا ڈر تھا تو وہ اسے اپنا رازدار بنا لیتی۔ یوسف کے لیے اس نے اپنے لب کیوں نہ کھولے۔

بابا صلاح کے اس رومال کو اس نے سنبھال کر رکھ لیا۔ اگر زندگی ان دونوں پر مہربان ہوئی اور وہ یشفین سے ملی تو وہ رومال اسے لوٹا دے گی۔

جب وہ گھر واپس آئی اور عماد حمدی کے کتب خانے کے چراغوں میں تیل ڈالنے لگی تو عماد حمدی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم کسی یوسف کو جانتی ہو لیلیٰ؟" چراغ اور تیل دونوں اس کے ہاتھ سے پھسل گئے۔ وہ جھٹکے سے گردن موڑ کر عماد حمدی کو دیکھنے لگی۔

"میں یوسف شعراوی اور یشفین دونوں کو جانتی ہوں۔" اس نے بے چینی سے کہا۔

عماد حمدی نے اپنی بیوی کی عجلت' گرے ہوئے تیل اور چراغ کو دیکھا۔

"کہاں ہیں وہ؟" لیلیٰ نے بے قراری سے پوچھا۔ وہ لپک کر عماد حمدی کی نشست کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ آنکھیں یکایک آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"یوسف کئی سالوں سے قید میں ہے۔"

"اور یشفین؟" اس نے بے قراری سے پوچھا۔

"کہاں ہے وہ' مجھے بتائیں عماد۔ مجھے اس سے ملوا دیں۔"

"کون یشفین' لیلیٰ؟" عماد حمدی نے الٹا لیلیٰ سے پوچھا۔ لیلیٰ کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ اس کی آنکھ کا آنسو لہو رنگ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

"کس چیز نے تمہیں اس موسم میں سفر کرنے پر مجبور کر دیا میری بیٹی! تم باہمت ہو لیکن ایسا سختیوں بھرا سفر تمہارے لیے ٹھیک نہیں تھا۔ تمہاری ایسی صورت دیکھ کر میں پریشان ہو گیا۔ مجھے تمہارا انتظار رہا لیکن ایسے موسم میں تمہارا آنا مجھے ٹھیک نہیں لگا۔"

"آپ کی مدد لینے آئی ہوں۔ انتظار نہیں کر سکتی تھی۔"

اس نے سفر کا ایک ایک پل اپنی سانس کے ساتھ گنا تھا۔ بابا صلاح کے حیات بخیر ہونے کی اس نے ہر ساعت دعا کی تھی۔ وہ دن میں بابا صلاح کے گھر پہنچ چکے تھے۔ شام تک ان کی آمد کے انتظار نے اسے بسمل بنائے رکھا۔ وہ اپنے مدرسے میں تھے۔ رات کو آسمان کے پہلے ستارے کے ساتھ گھر لوٹے۔

"تم نے مجھے خط کیوں نہیں لکھا؟" انہوں نے تاسف سے اسے دیکھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"خط مجھ سے زیادہ تیزی سے شاید آپ تک نہ پہنچتا۔"

"مجیب درانی کے گھر سے لاپتا ہونے کے بعد تم نے مجھے خط کیوں نہیں لکھا۔" انہوں نے غصے سے پوچھا۔

شرمندگی سے اس نے سر جھکا لیا۔ اسے ایک بار خیال آیا تھا کہ وہ انہیں خط لکھے لیکن اس نے نہیں لکھا۔ مجیب درانی کے احسانوں کے بوجھ کو اپنی گردن پر اٹھاتے' س نے کسی اور کے احسان کو اٹھانا گوارا نہ کیا۔ وہ احسانوں سے خوفزدہ ہوگئی تھی۔ اور اب شرمندہ ہو رہی تھی۔ اس نے مجیب درانی اور بابا صلاح کو ایک ہی صف میں کھڑا کیوں کیا۔

"میں دو سال پہلے قونیہ گیا تھا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ تم گھر کا قیمتی اسباب لے کر بھاگ گئی ہو۔"

"میں اپنی عزت کی حفاظت کے لیے بھاگ گئی تھی۔ التموش مہمان خانے سے مجھے اٹھانے آگیا تھا۔"

بابا صلاح سر ہلانے لگے۔ "لوگ جھوٹ بولنے کا اپنا شوق پورا کرتے ہیں تو میں انہیں ٹوکتا نہیں۔ حقیقت میرے تجربے سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ میں حتی المقدور تمہارا پتا کروانے کی کوشش کی لیکن مجھے کوئی خبر نہیں ملی۔ اگر تم مجھے ایک خط لکھ دیتیں تو آج یہ نوبت نہ آتی۔"

"میں بابا شوفی کے ساتھ ان کے گھر تھی۔"

"محفوظ تھیں؟ یہ جان کر خوشی ہوئی۔"

"آپ یوسف کی مدد کریں گے؟"

"ہرگز نہیں..... اس کی مدد صرف اللہ کرے گا۔" وہ جز بز ہوگئی۔

"اگر آپ میرے ساتھ نہیں آسکتے تو مجھے ایک خط لکھ دیں۔ اپنے کسی خادم کو میرے ساتھ روانہ کردیں۔"

"یہ اتنا آسان نہیں ہے میری بیٹی! میری بصیرت مجھے دھوکا نہیں دے سکتی۔ میرا خط پڑھا جائے گا' اس پر عمل بھی ہوگا لیکن یوسف کو قید خانے میں ہی مار دیا جائے گا۔ سر بازار یا شہر سے باہر۔ مجیب درانی کے بارے میں جتنی اطلاعات مجھے موصول ہوتی رہی ہیں' انہیں درست مانا جائے تو وہ کچھ بھی کرنے سے نہیں چوکے گا۔ تم اس کی جان کو اور خطرے میں ڈال دو گی..... صبر سے کام لو۔"

یشفین حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔ "صبر سے کام لوں اور تدبیر؟"

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ تم یہاں اب میرے پاس رہو۔"

"تو آپ میری مدد نہیں کریں گے؟"

"تمہاری مدد اللہ کرے گا....."

☆ ☆ ☆

"یشفین' بابا صلاح کے پاس ہے۔" عکرمہ نے یہ بات اپنے باپ کے کان میں بتائی۔ وہ حیران ہوتے رہے تھے کہ یہ لڑکی آخر ایسی کون سے جگہ جا کر چھپ گئی ہے جس کی بو ان کے نتھنوں تک نہیں پہنچی۔ یوسف قید کاٹ رہا ہے۔ یہ ان کے انتقام کی ایک کڑی تھی' دوسری کڑی لاپتا تھی اور وہی انہیں مطلوب تھی۔ یشفین کی بابا صلاح کے پاس موجودگی کی خبر انہیں ان کے ایک مخبر نے دی تھی۔

"جو حساب رہ گیا تھا وہ بھی برابر کردو۔ سنا ہے ادھورے کام' دہکتی سلاخوں کی طرح سینے پر داغے جائیں گے۔ اسے یہاں لے آؤ' اس کی جان بخشی کے عوض یوسف کی خود سری کو مسل کر رکھ دو۔ وہ مجھ سے معافی مانگنے کے لیے تیار نہیں تھا' اب ہو جائے گا۔ التموش سے کہنا کہ وہ پھر روپوش ہو جائے۔ یہاں صورت حال خراب ہوتی جا رہی ہے۔" مجیب درانی نے آئندہ کا سارا لائحہ عمل بنا کر عکرمہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

عکرمہ شہر سے غائب ہوگیا۔ مجیب درانی نے یہ مشہور کردیا کہ تجارت کی غرض سے روم گیا ہے۔

"میں عکرمہ کی یوں اچانک روپوشیوں سے تنگ آچکی ہوں۔ وہ مجھے بیوی بنا کر لایا ہے' یا گھر میں قیدی

WWW.PAKSOCIETY.COM

بنا کر رکھنے۔" حقہ پیتے مجیب درانی نے عکرمہ کی کم عمر تک چڑھی بیوی کو دیکھا' جسے اتنی تمیز نہیں تھی کہ بڑوں سے بات کیسے کی جاتی ہے۔

"تمہیں بتا کر گیا ہے وہ۔۔۔ تمہیں روپوش ہونا لگتا ہے یہ۔"

"میرے بابا اور بھائی کہتے ہیں وہ روپوش ہوا ہے۔" وہ اور چڑ کر بولی۔

"بکواس کرتے ہیں تمہارے خاندان والے۔۔۔ سارا شہر جلتا ہے میرے بیٹے سے۔"

مجیب درانی نے چلا کر کہا۔ عماد حمدی نے سارے شہر میں ان کی ناک کٹوادی تھی۔ کس طرح وہ ان کے خلاف ثبوت اکٹھے کرتا پھر رہا ہے' یہ بات سارا شہر جان گیا تھا۔ جن کینہ پرور دشمنوں کی زبانیں اندر تھیں' وہ بھی باہر نکل آئی تھیں۔ عماد حمدی وہ چوک تھی جو ان کی ہوش مندی کے باوجود ان سے ہوئی۔

عماد حمدی نے لیلیٰ کے غم کو اپنے دل پر محسوس کیا۔ وہ اس رات سے بیمار تھی جس رات اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ کچھ خفیہ دستاویزات چراتے ہوئے یوسف پکڑا گیا تھا۔ اسے یوسف کی فکر نہیں تھی' اسے یشفین کی فکر تھی۔ پھر وہ کہاں گئی؟ یوسف تو قید خانے میں ہے' وہ کس کے ساتھ بھاگی تھی؟

وہ گھر آنا چاہتی تھی۔ ایک ایک سے پوچھنا چاہتی تھی کہ یشفین گھر سے کیوں بھاگی؟ کیا زیورات کے لیے؟ سونے کے سکوں کے لیے؟ یہ سب تو پہلے سے ہی اس کی تحویل میں رہتے تھے۔ ماں عزیزہ اور اس نے پہلے بھی اس سب پر سوچا تھا لیکن جب انہیں کسی بھی بات کا کوئی سرا نہیں ملا تو وہ خاموش ہو گئیں۔ یشفین واقعی گھر سے غائب تھی اور یوسف بھی جا چکا تھا۔ انہیں یقین کرنا ہی پڑا کہ وہ دونوں ساتھ بھاگے ہیں۔

عماد حمدی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اس معاملے پر صبر سے کام لے لیکن وہ صبر نہیں کر سکی اور روتی رہی۔ عماد حمدی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اسے لیلیٰ کو کچھ بھی نہیں بتانا چاہیے تھا۔ اگر وہ یوسف کے بارے میں جان گیا تھا تو اسے لیلیٰ سے ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔

"مجھ سے وعدہ کرو لیلیٰ' تم یہ سب باتیں کسی سے نہیں کرو گی۔" لیلیٰ کو اپنے شوہر کی بے حسی پر رونا آیا۔ اتنے اختیارات کے باوجود وہ یشفین کو ڈھونڈ لانے کا کوئی جھوٹا وعدہ کرنے کے بجائے الٹا اس سے وعدہ لے رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

"جو آسمانوں پر طے ہو چکا تھا' اسے تم نے زمین پر میرے لیے دہرایا۔ یوسف شعراوی تم ایک بہادر انسان ہو۔"

یشفین کا دیا چھوٹا سا خط یوسف کے ہاتھ میں تھا اور وہ اسے ان گنت بار پڑھ چکا تھا۔ اس قید کا ایک ایک لمحہ اس پر بھاری رہا تھا' جب تک وہ اس خوف میں گھرا رہا تھا کہ یشفین التموش کے پاس ہے۔ اب یہ خط اس کے ہاتھ میں ہے اور یہ قید خانہ گل و گلزار ہے۔ اسے یقین تھا کہ ماں نے اس کے لیے ایک لمحہ بھی اپنی دعائیں ترک نہ کی ہوں گی اور یہ ان ہی کی دعاؤں سے ہوا۔ کوئی یشفین کو تکلیف نہیں پہنچا سکا۔

"عرب کے صحراؤں میں' جنوب کے پہاڑوں میں' مشرق و مغرب کے دریاؤں کے کناروں میں' کیا عورتوں کی کمی رہی ہوگی جو کسی ایک لیے خود کو قید خانے کا قیدی بنالیا جائے۔" اس کے ساتھی اس سے کہتے۔ وہ ہنس دیتا۔

"تم نہیں سمجھو گے۔۔۔ یا مجنوں سمجھے گا۔۔۔ یا جنگجو سالار سمجھے گا۔ تم نہیں سمجھو گے۔۔۔" وہ خود بھی یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ زندگی کی ایسی مشقت اس نے کیسے سہ لی۔ اس کی جوانی کی بہاریں قید خانے کی خزاؤں میں گزریں' لیکن اس نے اف نہیں کی۔ کیا واقعی وہ ایک ایسا ہی باہمت و بہادر انسان تھا۔ کیا واقعی ہر سختی کو اس نے صبر سے زائل کیا۔

اس نے اللہ پر یقین کامل رکھا اور اس کی مدد کا انتظار کیا۔ بے شک اللہ کی مدد ہمیشہ سے اس کے ساتھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

موجود رہی تھی۔ ورنہ یشفین سرائے میں موجود نہ ہوتی اور وہ قید خانے میں زندہ نہ ہوتا۔

☆ ☆ ☆

"کیا زندگی انتظار کا دوسرا نام ہے؟ یا زندگی ایک ایسے آئینے کی مانند ہے جو ناپسندیدہ عکس مستقل دکھاتی ہے۔" یوسف قید خانے میں ہی رہا اور وہ اس کی مدد سے قاصر رہی۔ اس کی التجائیں بھی بابا صلاح کو قونیہ جانے پر مجبور نہیں کر سکی تھیں۔ وہ ان کے گھر میں رہنے پر مجبور تھی۔ انہوں نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ ان کی اجازت کے بغیر قونیہ نہیں جائے گی۔ بابا شوفی واپس جا چکے تھے۔

بہت صبر سے وہ چند دن گزارتی، پھر سے بابا صلاح سے بات کرنے کی کوشش کرتی اور ناکام رہتی۔ وہ یا اسے خاموش رہنے کے لیے کہتے یا وہ خود ہی خاموش رہتے۔ ان کی طرف سے کسی پیش قدمی کا انتظار کرتے کرتے تھک کر وہ رو دیتی۔ وہ عاجز آچکی تھی۔ کتنے مہینوں سے وہ ان کے پاس تھی۔ کیا وہ یہ چاہتے تھے کہ وہ ہمیشہ یہیں چپ چاپ پڑی رہے اور آخر کار یوسف قید خانے میں مر جائے۔

"آپ یوسف کے لیے کچھ کر رہے ہیں یا نہیں؟" ایک دن وہ اپنے لہجے پر قابو نہیں رکھ سکی۔

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں نہیں اللہ کرے گا۔"

"آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے کام اس کے بندوں کے ذریعے ہی انجام پاتے ہیں۔"

"میں یہ جانتا ہوں کہ میں نے تم سے زیادہ بے صبر انسان نہیں دیکھا۔ میں تمہیں جتنا سمجھ دار سمجھتا تھا تم اس سے کہیں زیادہ بے وقوف نکلیں۔ میں تمہیں کئی بار سمجھا چکا ہوں کہ سمندر میں جال پھینک کر ماہی گیروں کو کیسے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ بیج بو کر کسان کو فصل کے اگنے کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ناانصافی کی قید کاٹ کر، انصاف کا دروازہ کھل جانے کا انتظار بہر حال کرنا پڑتا ہے۔" وہ سر جھکا کر آنسو بہانے لگی۔

وہ ٹھیک کہہ رہے تھے، لیکن وہ بھی غلط نہیں تھی۔ سرائے میں تو اس کے پاس کرنے کے لیے بہت سے کام تھے۔ یہاں کیا تھا؟ بابا صلاح کے مدرسے میں پڑھنے والی بچیوں کی نگرانی کرنا۔ ان کی سبق میں مدد کرنا اور شام کو دریا پر ٹہلنے کے لیے چلے جانا۔ شروع شروع میں بابا صلاح اسے اپنے ساتھ لے کر جاتے تھے۔ وہ اچھی طرح سے سمجھتی تھی کہ وہ اس کا دل بہلانے کے لیے اسے یہاں لاتے ہیں۔ پھر وہ اتنی عادی ہو گئی کہ تقریباً ہر دن وہاں جانے لگی۔ اس کا یہ معمول بن گیا۔ بابا صلاح یہی چاہتے تھے کہ اس کا وہاں جانا معمول بن جائے۔

اس دن بھی وہ وہاں موجود تھی۔ وہ دریا کے پانی کو دیکھنے میں اتنی محو تھی کہ اسے دن کے بیت جانے اور شام کے ڈھل جانے کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔ وہ کنارے بیٹھی رہی اور اندھیرے نے روشنی پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ ایسے ہی بیٹھے بیٹھے وہ چونک کر ڈر گئی جب کسی نے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھا اور اس کا نام پکارا۔

"یشفین... میرے باپ کی کنیز! تو تم بھاگ کر یہاں آگئی تھیں۔" اس نے سر گھما کر دیکھا۔ دن کی ڈوبی ہوئی روشنی میں اس نے عکرمہ کو فوراً پہچان لیا۔ اس پر یک دم ویسا ہی خوف طاری ہو گیا جیسا اس رات ہوا تھا جب وہ گھر سے بھاگی تھی۔

"تمہیں یوسف کے ساتھ مل کر نمک حرامی کرتے شرم نہیں آئی۔" وہ غرا کر بولا۔

"شرم آئی تھی۔ یہ سوچ کر کہ تم نے مجھے التموش کے ہاتھ بیچ دیا ہے۔" وہ ابھی بھی خوف زدہ تھی، لیکن اس نے نفرت سے عکرمہ کو سچ جتا دینا ضروری سمجھا۔ "اور جان لو میں اب تمہاری کنیز نہیں ہوں۔ یہ تمہارا گھر نہیں ہے، جہاں سے تم مجھے اٹھا کر التموش کے سپرد کر دو گے۔" عکرمہ نے کھینچ کر اس کے منہ پر ایک تھپڑ مارا۔

"جو اس رات بیچ دیا تھا، وہ آج اس کے حوالے کرنے والا ہوں۔" اس نے اس کے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ دیے کہ چلا نہ سکے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس نے پورا زور لگا کر خود کو عکرمہ کی گرفت سے آزاد کروانا چاہا۔ اسے سامنے سے کچھ اور لوگ اپنی طرف آتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اسے یہ سمجھنے میں وقت نہیں لگا کہ وہ عکرمہ کے ہی لوگ ہیں۔ مچل کر خود کو عکرمہ کی گرفت سے آزاد کروا کر وہ پیچھے کی طرف تیزی سے بھاگی۔

وہ بھاگ رہی تھی، لیکن وہ جانتی تھی کہ اس کا بھاگنا فضول ہے۔ جتنے قدموں کی چاپ اور گھوڑوں کی ٹاپ اس کے اطراف ابھر رہی تھیں وہ اسے کیسے بچ نکلنے دے سکتی تھیں۔ عکرمہ پیچھے ہی کھڑا رہ گیا تھا۔ وہ محظوظ ہو رہا تھا کہ اس بار وہ ایک ناکام کوشش کر رہی ہے۔ یہ قونیہ نہیں، جس کی گلیوں میں چھپ کر وہ ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔

وہ قونیہ نہیں تھا، دریا کا کنارہ تھا۔ جس کا پہرہ مہینوں سے عماد حمدی کے آدمی بھیس بدل کر دے رہے تھے۔ جس وقت وہ اپنا پورا زور لگا کر بھاگ رہی تھی اور التموش نے اپنے گھوڑے سے کود کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا، اس وقت وہ جال سمیٹ دیا گیا تھا جو ماہی گیروں نے التموش اور عکرمہ کو پکڑنے کے لیے بچھایا تھا اور جس سے یشفین لاعلم تھی۔

"عورتوں کو لاعلم ہی رکھنا چاہیے۔ ورنہ اپنی جلد بازی اور بے چینی سے وہ کام خراب کر دیتی ہیں۔" بابا صلاح نے اسے جان بوجھ کر لاعلم رکھا تھا۔ جتنی بے صبری وہ ہو چکی تھی، انہیں یقین تھا وہ ان کے بچھائے جال میں التموش کو نہیں آنے دے گی۔ اس کی جلد بازی پول کھول دے گی۔

ایک بار یشفین اپنی جان بچانے کے لیے بھاگی تھی، آج وہ التموش اور عکرمہ کو پکڑوانے کے لیے بھاگی تھی۔ بابا صلاح نے خود یہ اطلاع عکرمہ کے کانوں تک اپنے آدمی کے ذریعے پہنچائی تھی کہ وہ وہاں ان کے پاس ہے۔ عماد حمدی ان کا شاگرد تھا۔ ان کے مدرسے سے فارغ التحصیل۔ اس سے زیادہ کون ان کا مددگار ہو سکتا تھا۔

زندگی پلٹ کر چھ سال پیچھے چلی جاتی تو بھی اتنی حسین نہ لگتی جتنی اس وقت لگی جب وہ لیلیٰ کے سینے سے جا کر لگی۔ بابا شوفی کے گھر کے بستر پر آنکھیں موندے پڑے، وہ یہ یقین رکھتی تھی کہ اب کبھی وہ لیلیٰ کو نہیں دیکھ پائے گی۔ اس کی آنکھیں قبر میں کھل جائیں گی، قیامت آجائے گی، لیکن لیلیٰ اسے کہیں نظر نہیں آئے گی۔

لیلیٰ نے اسے خود سے الگ کر کے پلکیں جھپکائے بغیر دیکھا۔ اس کی صورت پر زندگی کی سختیاں، صبر کے قلم سے رقم ہو چکی تھیں۔ اس کا لباس معمولی تھا۔ اس کا ہاتھ جلا ہوا تھا۔ اس کے حسن کی چمک، تجربات کی بھٹی سے سنولا گئی تھی۔ لیلیٰ نے اس کا جلا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو جان لیا وہ زندگی گزار کر نہیں، جھیل کر آئی ہے۔

"تم مجھے چھوڑ کر کیسے چلی گئیں۔"

"شاید ہر محبت کو جدائی کا داغ سہنا پڑتا ہے۔" وہ کہاں سے شروع کرتی اور کہاں تک سناتی۔

"ماں ٹھیک کہتی تھی۔ تم ہماری محبت کو احسان سمجھتی ہو۔ تم نے احسان چکا دیا۔" لیلیٰ غصے سے رونے لگی۔

وہ اسے کیسے بتاتی کہ اگر محبت کو صرف احسان سمجھا ہوتا تو وہ اسے یاد کر کے روتی نہ رہتی۔۔۔ یوسف کو قید میں نہ رہنا پڑتا۔ احسان تو کسی نہ کسی طرح چکا دیے جاتے ہیں، محبت کے بدلے میں محبت تو چکائی ہی نہیں جا سکتی۔

عماد حمدی نے لیلیٰ کے چہرے پر اس خوشی کو دیکھا جو چار سالوں کی اس کی شادی شدہ زندگی میں وہ ایک بار بھی اس کے چہرے پر نہیں دیکھ سکا تھا۔ ہاں وہ اپنی بیوی سے ایک جھوٹا وعدہ بھی نہیں کر سکا تھا کہ وہ یشفین کو ڈھونڈ کر لے آئے گا کیوں کہ اسے ڈر تھا کہ یشفین کو مجیب درانی نے قتل کروا دیا ہوگا۔

"ایک تاجر کی بیٹی سے شادی سے انکار پر۔"

عماد حمدی نے یوسف کے منہ سے جب یہ فقرہ سنا تھا تو وہ چونکے بنا نہیں رہ سکا تھا۔ قید خانے کے پہرے

WWW.PAKSOCIETY.COM

دار اور انتظامیہ منہ کھولنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اسے جو معلومات مل رہی تھیں' وہ ادھوری تھیں۔ اس نے شہر کے تاجروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی کہ وہ کس کے عتاب کا شکار ہوا ہے۔ اس کی سزا کا تعین کیوں نہیں کیا جارہا۔ اسے قاضی کے سامنے پیش کیوں نہیں کیا گیا' لیکن اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

ایک رات لیلیٰ کو دیکھتے ہوئے اسے خیال آیا کہ وہ اس شہر کی رہنے والی ہے۔ شاید وہ کسی ایسی بات کے بارے میں جانتی ہو جو اس کی مدد کرسکے۔

"تم یوسف شعراوی کو جانتی ہو؟" اس نے لیلیٰ سے پوچھا اور لیلیٰ نے اسے یوسف شعراوی کے بارے میں بتادیا' لیکن لیلیٰ کی باتیں بھی ادھوری تھیں۔ اس نے خود ہی کڑی سے کڑی ملا کر کہانی جان لی۔ یشفین اور یوسف کے بیک وقت غائب ہونے کو اہم جانا اور اسے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں زیادہ دن نہیں لگے کہ یہ سب کس کے کہنے پر ہوا اور قید خانے میں مجیب درابی کے وفادار منہ کیوں نہیں کھولتے۔

عماد حمدی نے آہستہ آہستہ ثبوت اکٹھے کرنے شروع کردیے تھے۔ عکرمہ اور التموش کے گرد اس نے الگ سے گھیرا تنگ کردیا تھا۔ پھر بابا صلاح کا خط اسے ملا۔ پچھلی بار جب وہ اس سے ملے تھے' اس نے اپنے سسر مجیب درابی کی سرگرمیوں کے بارے میں انہیں تفصیل سے آگاہ کردیا تھا۔ بابا صلاح سلطان کے ان اہم مشیروں میں سے ایک تھے جو اندر ہی اندر نظم و نسق پر گہری نظر رکھتے تھے۔ خط میں انہوں نے یشفین کے بارے میں لکھا تھا اور اسے اپنے پاس آنے کے لیے کہا تھا۔ انہوں نے مل کر یہ طے کیا تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ شفین کے ذریعے التموش اور عکرمہ کو پکڑنا۔ یوسف کو قاضی کے سامنے پیش کرنا اور مجیب درابی کی سزا کا تعین کرنا۔

☆ ☆ ☆

"مردہ بدم زندہ شدم' گریہ بدم خندہ شدم۔" (میں مردہ تھا' زندہ ہوگیا۔ آنسو تھا' تبسم ہوگیا)

وہ شہر کے ان راستوں پر چلتا جارہا تھا جن پر آج سے چھ سال چند مہینے پہلے' اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر چل رہا تھا۔ زندگی اس کے لیے بہت بدل گئی تھی۔ اس کی شخصیت' اس کا مزاج بھی' لیکن شہر اتنا نہیں بدلا تھا۔ شہر اتنی جلدی کہاں بدلا کرتے ہیں۔ جس شہر میں وہ مسکراتے ہوئے داخل ہوا تھا' وہ شہر آج اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ ہاں قونیہ اتنا تو ضرور بدل گیا تھا۔

عماد حمدی نے اسے قید خانے سے سرکاری مہمان خانے میں منتقل کرادیا تھا۔ وہیں اس کے ناکارہ ہونے کے قریب بازو کا علاج ہوتا رہا تھا۔ مہمان خانے میں بھی وہ ایک طرح سے قید ہی تھا' لیکن اچھے لباس' خوراک اور مشقت کے بغیر۔ اسے اس وقت تک وہاں رہنا تھا جب تک قاضی صاحب اس کی رہائی کی قانونی اجازت نہ دے دیتے۔ عکرمہ اور التموش البتہ قید خانے میں تھے۔ ان دونوں کے پکڑے جانے کی خبر نہ جانے کیسے درابی تک پہنچ گئی تھی اور وہ مراکش بھاگ گیا تھا۔ عماد حمدی کے آدمی اس کے پیچھے مراکش گئے تھے۔

قاضی کے سامنے اس کی پیشیاں ہوتی رہی تھیں اور ان سب لوگوں کو جو اس کی قید کے سلسلے میں درابی کے معاون بنے رہے تھے' سزائیں مل چکی تھیں۔ عماد حمدی نے اس سے کہا تھا کہ اگر وہ عکرمہ سے ملنا چاہتا ہے تو وہ اس کا انتظام کرسکتا ہے' لیکن اس نے انکار کردیا تھا۔ ایک ایسے انسان کو جس کی سزا موت نہیں تو عمر قید تو ضرور ہی ہوگی' طنز کرکے یا اسے کچھ جتا کر وہ کیا خوشی حاصل کرنا چاہے گا۔

"عزیزم! آپ اس شہر میں اجنبی لگتے ہیں۔ مسافر ہیں۔ آیئے آیئے' مولانا رومی کا شہر قونیہ آپ کو خوش آمدید کہتا ہے۔ آیئے اس دکان کے اندر آجایئے۔ یہاں آپ کو وہ ظروف اور نوادرات ملیں گے جو عرب کے طول و عرض پر کسی اور دکان میں نہیں ملیں گے۔ آپ کی خوش قسمتی کو سلام ہے۔ کل رات ہی میں ایک ایسا چراغ حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکا ہوں

WWW.PAKSOCIETY.COM

جس کی روشنی میں خلیفہ ہارون الرشید کتاب کا مطالعہ کیا کرتے تھے... آیئے عزیزم اپنی زوجہ کے لیے... لیکن اگر آپ اتنے ہی خوش قسمت ہیں کہ زوجہ سرے سے موجود ہی نہیں تو اپنی محبوبہ کے لیے آئینہ لے جایئے۔ اگر مجنوں زندہ ہوتا تو وہ خود گواہی دیتا کہ "ہاں یہ وہی آئینہ ہے جو میں نے اپنی لیلیٰ کو دیا تھا۔"

یوسف نے مسکرا کر الہ دین کے جن کو دیکھا۔ اس کی توند کچھ اور باہر نکل آئی تھی اور داڑھی میں سفیدی نمایاں ہو گئی تھی۔

"مجھے یہ آئینہ چاہیے چچا۔" اس نے کہا۔

"تم خوش قسمتوں میں سب سے زیادہ خوش قسمت ہو۔ اس آئینے کے لیے بہت سے لوگ آئے لیکن اسے حاصل نہیں کر پائے۔ لو یہ تمہارا ہوا۔"

چرمی تھیلے میں ہاتھ ڈال کر اس نے سکے نکالے اور الہ دین چچا کو دیے۔ اسی تھیلے میں "مجنوں" نے اپنی لیلیٰ کے لیے آئینہ رکھ لیا۔

"دولت عشق آمد و من' دولت پائندہ شدم"
(سامان عشق نے مجھ ہی کو "جوہر" بنا دیا)

ماں عزیزہ دکھی تھیں۔ لیلیٰ اپنے بابا کے لیے' عکرمہ کے لیے کتنی پریشان تھی۔ یہ سب اس سے چھپا ہوا نہیں تھا اور ان سے بھی یہ چھپا ہوا نہیں تھا کہ اس نے اپنی زندگی کن مصیبتوں سے نبرد آزما ہو کر کاٹی ہے۔ وہ تینوں ایک دوسرے کے رنج و غم کو سمجھتی تھیں اور یہ بھی کہ اب ان کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ جو ہو چکا ہے اور ہونے والا ہے' وہ اسے بدل نہیں سکتیں۔ ماں عزیزہ نے صبر کر لیا تھا اور لیلیٰ اپنی بیٹی کے ساتھ دل بہلانے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔

اور یشفین... وہ یوسف کے آنے کا انتظار کرتی تھی۔ ہر ساعت اسے یوسف کے انتظار میں کاٹی گئی آخری ساعت لگتی' لیکن پھر اگلی ساعت انتظار بن کر آجاتی۔

وہ لیلیٰ کے ساتھ اس کے گھر میں رہ رہی تھی۔ ہر آہٹ پر اس کے کان کھڑے ہو جاتے۔ عماد حمدی کے گھر آنے والے ہر مہمان کو وہ یوسف سمجھتی۔ ہر دستک یوسف کی دستک لگتی۔ یشفین اور دوسرے معاملات سے وہ واقف تھی اور عاجز بھی۔ اس کے دل میں کیسے کیسے وسوسے آتے۔ اسے کیسے کیسے خوف لاحق رہتے۔ اسے لگتا' دریا صحرا ہو جائیں گے' لیکن یوسف نہیں آئے گا۔ حال ماضی ہو جائے گا اور وہ لوٹ نہیں سکے گا۔

بالکنی میں کھڑی لیلیٰ اپنی بیٹی کو گود میں لیے شہر کا نظارہ کروا رہی تھی اور وہ اس طرف گھر کے باغ کی طرف رخ کیے کھڑی تھی۔ لیلیٰ دوبارا سے گردن موڑ کر دیکھ چکی تھی۔ وہ خاموش تھی اور اداس۔ پھر یک دم لیلیٰ نے باغ کی طرف بالکنی میں گردن نیچے کر کے خادم کو آواز دے کر کہا۔

"پھاٹک کھول دو... مہمان کو عزت و احترام سے اندر لے آؤ۔" یشفین' لیلیٰ کی صورت دیکھنے لگی۔ لیلیٰ اسے دیکھنے لگی اور پھاٹک کھول دیا گیا۔ جس سے گزر کر مہمان اندر آگیا۔

"تم نے کہا تھا یشفین... شہزادے ہمیشہ دور سے آتے ہیں... وہ دیکھو' وہ آرہا ہے۔" باغ کی روش پر چلتے یوسف کی طرف لیلیٰ نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا اور وہ مسکرا دی۔ کتنے سالوں بعد یہ مسکراہٹ واپس اس کے چہرے پر لوٹ آئی تھی۔

"میں عنابیہ کے بابا کو اطلاع دینے جا رہی ہوں کہ ہمارا مہمان آچکا ہے۔" لیلیٰ جلدی سے نیچے چلی گئی۔

وہ اوپر کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ دوپٹے کے پلو کو کھینچ کر اس نے دانت میں دبانا چاہا۔ باغ کی روش پر چلتے' پھولوں کی خوشبو سونگھتے' آزاد پرندوں کی زبان سمجھتے' یوسف نے محراب کے سائے میں قندیل کو روشن دیکھا۔

زندہ شدم... خندہ شدم...

چلتے چلتے وہ وہ عین بالکنی کے نیچے آکر کھڑا ہو گیا تو وہ اسے پکارے بغیر رہ نہیں سکی۔

"یوسف۔" یوسف نے مسکرا کر سر کو دائیں بائیں ہلایا...

"دولت پائندہ شدم۔"

"ہاں! تم مجھے پکار سکتی ہو... ہر بلندی سے..."

"اور تم مجھے... ہر منزل سے..." ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM